# فلکی حساب اور آغازِ ماہِ رمضان

## ایک فقہی و مقاصدی مطالعہ

ذوالفقار علی شاہ

ناشر

جملہ حقوق



| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | : | فلکی حساب اور آغازِ ماہِ رمضان |
| نام مصنف | : | ذوالفقار علی شاہ |
| نام مترجم | : | الیاس نعمانی |
| صفحات | : | ۱۷۴ |
| قیمت | : | |

بسم الله الرحمن الرحيم

# کتاب اہل علم کی نگاہ میں

"زیر نظر مقالہ نے اس مسئلہ کا گہرا مطالعہ اور بھرپور تجزیہ کیا ہے، موضوع کے اہم گوشوں پر توجہ دی ہے، نہایت غیر جانبداری کے ساتھ مختلف آرا اور ان کے دلائل کا تذکرہ کیا ہے، رمضان کے آغاز اور عید کی تعیین کے سلسلے میں مسلمانوں کے اختلافات کے نقصانات سے آگاہ کیا ہے، پھر آخر میں اس مسئلہ کا (اپنے نزدیک) مناسب حل تجویز کیا ہے، یہ وہ حل ہے جس میں مسلمان آغازِ رمضان وعید کی تعیین کے سلسلہ میں قطعی طریقہ کو استعمال کریں گے، مقالہ نگار نے اپنے تجویز کردہ حل کی بنیاد نقلی وعقلی دلائل پر رکھی ہے، اس موضوع سے متعلق مقاصد شریعت کا بھی اعتبار کیا ہے، جب کہ اس موضوع پر قلم اٹھانے والے اکثر اصحابِ علم اس پہلو سے غفلت برتتے ہیں، اس طرح یہ مقالہ طویل مدت سے حل طلب چلے آرہے اس مسئلہ کا حل بخوبی پیش کرتا ہے، حالانکہ یہ مسئلہ اتنی طویل مدت تک لاینحل رہنے کا نہیں تھا، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مقالہ نگار کو ان کی کاوش کا بہترین صلہ دے، اور مسلمانوں کو اس رائے کے انتخاب کی توفیق دے جو ان کے لئے اور دوسروں کے لئے خیر کا باعث ہو"۔

ڈاکٹر عبدالمجید نجار
معاون جنرل سکریٹری
یورپین افتا کونسل

☆☆☆

"اپنے شاگرد ............کا تحریر کردہ مقالہ ہم نے دیکھا، مطالعہ میں غیر جانبداری،



گہرائی اور گیرائی کے سلسلے میں وہ ایک قابل تقلید نمونہ ہے، یہ سلفِ صالحین کا طریقۂ کار ہے، وہ زیر غور مسئلہ کی بابت مختلف آرا و اجتہادات پیش کرتے ہیں، انہیں ان کے حاملین کی جانب منسوب کرتے ہیں، اور ان آرا کو ان کے اصلی مصادر سے نقل کرتے ہیں، انہوں نے ان آرا کی بابت تجزیہ واستدلال، اور ان کے مابین تقابل وترجیح کے سلسلے میں نہایت گہرے علمی اسلوب کو اختیار کیا ہے، یہ اسلوب ظاہر نصوص پر تمسک کے بجائے معانی اور دلائل و براہین پر مبنی ہے، بہرحال یہ مقالہ ایک قابل ستائش علمی کاوش ہے"

ڈاکٹر حسین حامد حسان
سابق سربراہ: انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، پاکستان
استاذِ شریعت، جامعہ قاہرہ

☆☆☆

"مقالہ نگار نے اس سلسلہ میں بہت اچھی کاوش کی ہے، جس سے وہ متعدد نتائج تک پہنچے ہیں، جن میں سے اہم تر یہ ہیں: کتاب وسنت کے نصوص میں کوئی ایسا صریح نص نہیں پایا جاتا ہے جو صراحت ووضاحت کے ساتھ نہایت علمی اور دقیق حسابات کو مسترد کرنے پر دلالت کرتا ہو، بلکہ ان نصوص سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چند شرطوں کے ساتھ یہ حسابات مقبول ہیں، فلکی حسابات کو مسترد کرنے پر علما کا اجماع نہیں ہے، نصوص شرعیہ کے دائرہ میں رہتے ہوئے فلکی حسابات قبول کئے جا سکتے ہیں، اور ایسا کرنا کسی بھی طرح شریعت اسلامی کی روح کے خلاف نہیں ہے، بلکہ ایسا کرنے سے مسلمانوں کے درمیان اتحاد قائم ہوگا.........

یہ مطالعہ بہت اہم ہے، مقالہ نگار نے بہت کامیاب مطالعہ کیا ہے، جس میں انہوں نے متقدمین ومعاصرین کی آرا کے درمیان تقابل کیا ہے، نصوص اور ان کے سیاق کا تجزیہ کیا ہے، پورا مطالعہ نہایت سلیس وواضح اسلوب میں کیا ہے، جو علمی مواد کی کثرت، وسعتِ معلومات اور بلند

مقصد سے بہرہ ور ہے، مقالہ نگار نے بہت مواد جمع کر کے ان کا بہترین تجزیہ کیا ہے۔

ڈاکٹر علی محی الدین قرہ داغی

استاذ: جامعہ قطر

سکریٹری جنرل: جامعۃ التنمیۃ الشبریۃ

رکن: متعدد فقہ اکیڈمیاں

رکن: یورپین افتا کونسل

☆☆☆

''میں ان لوگوں میں تھا جو اس مسئلہ میں توقف اختیار کرتے ہیں، میں ''دارالافتاء المعربۃ'' کے اس فتوے کو صحیح سمجھتا تھا کہ رمضان کے آغاز و اختتام کے سلسلے میں رویت وحساب دونوں پر ایک ساتھ اعتماد کیا جائے گا، لیکن اس مقالہ کو پڑھنے، اس میں ذکر کئے گئے دلائل پر غور کرنے اور اس کے مباحث کا مطالعہ کرنے کے بعد اب میری یہ رائے ہے کہ ضرورت کے وقت صرف فلکی حساب پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، خاص طور پر یہ رائے عالم عرب کے علاوہ دیگر علاقوں میں اختیار کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ عالم عرب میں تو عام طور پر مطلع صاف ہوتا ہے اور رویت آسان ہوتی ہے، (جب کہ متعدد دیگر علاقوں میں ایسا نہیں ہوتا ہے) فقہاء اور علمی وفقہی اکیڈمیوں کو اب سلسلہ میں اپنے اختلافات کو ختم کر لینا چاہئے''۔

ڈاکٹر حسن محمود عبداللطیف شافعی

سابق سربراہ عالمی اسلامی یونیورسٹی پاکستان

استاذ کلیہ دارالعلوم، جامعہ قاہرہ

رکن: مجمع اللغۃ العربیۃ، قاہرہ

☆☆☆

# فہرست موضوعات


| | |
|---|---|
| **مقدمہ** | ۱۱ |
| **تمہید** | ۱۹ |
| **باب اوّل**<br>جمہور فقہا کے دلائل اور ان کا تجزیہ | ۵۱ |
| جمہور کی راجح رائے: | ۵۱ |
| فلکی حسابات سحر و علم نجوم سے مربوط ہیں: | ۶۴ |
| فلکی حسابات کو غیر دقیق کہنا: | ۶۶ |
| جمہور علما کی رائے کا خلاصہ: | ۶۹ |
| قرآنی دلائل کا جائزہ: | ۷۳ |
| چاند کے ''مواقیت للناس'' ہونے سے جمہور کے استدلال کا جائزہ: | ۸۳ |
| آیت اہلہ کے نزول کا سبب: | ۹۱ |
| **باب دوم**<br>حدیثی دلائل کا جائزہ | ۹۵ |
| 'تمیں دنوں کی تکمیل' سے استدلال کی کمزوری: | ۱۱۳ |





| | |
|---|---|
| فلکی حسابات کے مسترد ہونے پر اجماع کے دعوے کی کمزوری: | ۱۳۶ |
| اس اعتراض کی بابت دوسری بات: | ۱۳۸ |
| اس دلیل کی کمزوری کہ فلکی حسابات یہودیوں کا طریقہ ہے: | ۱۴۰ |
| **تیسرا باب**<br>فلکیاتی حساب سے قمری مہینے کا ثبوت | ۱۴۵ |
| جائز قرار دینے والوں کی دلیل: | ۱۴۵ |
| علماء کا فرمانِ نبوی لفظ فاقدروا له کی تشریح میں اختلاف: | ۱۴۶ |
| **المجلس الاوربی للافتاء والبحوث کے سترھویں اجلاس کا اعلانیہ** | ۱۶۶ |
| **مصادر و مراجع** | ۱۶۸ |


☆☆☆

# مقدمہ

الحمدلله رب العالمين نستغفره ونستعينه ونستهديه ، ونعوذبالله من شرور انفسنا وسيآت اعمالنا، ونصلي ونسلم علىٰ سيدنا محمد رسول الله وعلىٰ آله وصحبه ومن تبعه واهتدى بهديه الى يوم لقاه ، امابعد:

خوشی ومسرت کے ساتھ ڈاکٹر ذوالفقار علی شاہ (ایگزیکیٹیو ڈائریکٹر المجلس الفقہی لأمیر کاالشمالیۃ) کی یہ کتاب نذرِ قارئین ہے، مصنف کتاب کا شمار فقہی موضوعات سے دلچسپی رکھنے والے اصحابِ علم میں ہے۔

فقہ وثقافت کے درمیان ایک گہرا وسرگرم تعلق ہے، فقہ کسی کتاب کی صورت میں ہو، فتوے کی صورت میں ہو، علمی رائے کی صورت میں ہو یا ایک مسلک کی صورت میں ہو، بہرحال وہ ایک ایسا نتیجہ وجود میں لاتی ہے جو زیر غور مسئلہ کو کچھ عرصہ بعد اس جماعت ومعاشرہ کی ثقافت کا ایک حصہ بنا دیتا ہے جس میں یہ مسلک پھیلتا ہے، یا جس میں اس فتوے، قول یا رائے کو قبول کرلیا جاتا ہے، ایسا اس لیے ہے کہ علما جب کسی فقہی مسئلہ پر کلام کررہے ہوتے ہیں تو وہ درحقیقت معاشرہ کے سوالات کے جواب دے رہے ہوتے ہیں، اس کے مسائل حل کررہے ہوتے ہیں یا معاشرہ میں سامنے آنے والی بدعتوں اور پیدا ہونے والے انحرافات کا مقابلہ کررہے ہوتے ہیں، ثقافت میں نہ جانے کتنے امور ہمیں ایسے ملتے ہیں جن کی فقہی بنیادوں کو لوگ بھول چکے ہوتے ہیں، اور ان کے لئے ثقافتی وعرفی اصطلاحات استعمال کررہے ہوتے ہیں، یعنی لوگ ایک دو یا تین صدی قبل کی فقہی رائے کو بھول چکے ہوتے ہیں، اور اس فقہی رائے اور ثقافتی مظہر کے



درمیان کے رشتہ کا انہیں علم نہیں ہوتا، اس لئے کہ ثقافت اس کو بے حیثیت یا غلط سمجھ رہی ہوتی ہے، اور اسے عیب، شرمناک، یا اچھا عمل، اچھا عرف یا اچھی روایت سے تعبیر کررہی ہوتی ہے،........

اگر ہم ان ثقافتی تعبیرات پر غور وفکر کرکے ان کا تجزیہ کریں اور انہیں ان کی بنیادوں تک پہنچائیں تو ہم دیکھیں کہ کسی نہ کسی سطح پر ان کی بنیادیں فقہی ہیں، اس کی مثالیں بہت ہیں۔

ثقافت چند سوالات پیش کرکے فقیہ سے ان کے جوابات طلب کرتی ہے، اور فقہ ان کے جواب پیش کرتی ہے، پھر ثقافت فقہ سے دوبارہ چند سوالات کا جواب طلب کرتی ہے۔

فقہ وثقافت کے درمیان پائے جانے والے تعلق کی سب سے واضح مثال شاید قمری مہینوں کے آغاز میں فلکی حساب کے کردار کا مسئلہ ہے۔

تاریخ علوم کے موضوع پر لکھنے والوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہماری مسلم امت علم فلکیات کی موجد ہے، اور یہ دعوا بے دلیل ہے کہ اس علم کا آغاز یونانیوں نے کیا تھا، ہاں اس بات کے دلائل موجود ہیں کہ مسلمانوں نے اپنی تاریخ کے آغاز میں فلکیات کا آغاز کیا تھا، اور اس کی بنیاد قرآن مجید کی ذکر کردہ بنیادوں پر رکھی تھی، اپنی خواہشات کے بندوں نے زمانہ کے حسابات کو غلط کردیا تھا، قرآن مجید نے انہیں صحیح کیا، آں حضرتؐ کی بعثت کے ساتھ ہی قرآن مجید نے زمانہ کا صحیح شمار شروع کرایا، اور اس کے ساتھ کسی طرح کے چھیڑ چھاڑ سے منع کیا، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْراً فِي كِتَابِ اللّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَات وَالأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلاَ تَظْلِمُواْ فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ وَقَاتِلُواْ الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَآفَّةً وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُواْ يُحِلِّونَهُ عَاماً وَيُحَرِّمُونَهُ عَاماً لِّيُوَاطِؤُواْ عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّهُ فَيُحِلُّواْ مَا حَرَّمَ اللّهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ وَاللّهُ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ''(توبہ:۳۷۔۳۶)(حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالی کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ

مہینے ہے، جو اللہ تعالیٰ کی کتاب (یعنی لوح محفوظ) کے مطابق اس دن سے نافذ چلی آتی ہے، جس
دن اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا، ان میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں، یہی دین کا
سیدھا سادہ (تقاضہ) ہے، لہذا ان مہینوں کے معاملہ میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو، اور تم سب مل کر
مشرکین سے اسی طرح لڑو جس طرح وہ سب تم سے لڑتے ہیں، اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقی
لوگوں کے ساتھ ہے، اور مہینوں کو آگے پیچھے کر دینا تو کفر میں ایک مزید اضافہ ہے، جس کے ذریعہ
کافروں کو گمراہ کیا جاتا ہے، یہ لوگ اس عمل کو ایک سال حلال کر لیتے ہیں اور ایک سال حرام قرار
دیتے ہیں، تاکہ اللہ تعالی نے جو مہینے حرام کئے ہیں ان کی بس گنتی پوری کرلیں، اور جو بات اللہ
نے حرام قرار دی تھی اسے حلال سمجھ لیں)۔ یہ دنوں آیتیں اور کچھ آیات اوقات کی وضاحت کرتی
ہیں مثلاً ''یَسْأَلُونَکَ عَنِ الأَهِلَّةِ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ وَلَیْسَ الْبِرُّ بِأَنْ
تَأْتُوْاْ الْبُیُوتَ مِن ظُهُورِهَا وَلَکِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى وَأْتُواْ الْبُیُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُواْ
اللّهَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُون'' (بقرہ:۱۸۹) (لوگ آپ سے نئے مہینوں کے چاند کے بارے میں
پوچھتے ہیں، آپ انہیں بتادیجئے کہ یہ لوگوں کے (مختلف معاملات کے) اور حج کے اوقات متعین
کرنے کے لئے ہیں، اور یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے داخل
ہو، بلکہ نیکی یہ ہے کہ انسان تقویٰ اختیار کرے، اور تم گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو
اکرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو)۔ ماہِ رمضان کے روزوں کا حکم دیتے
ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُواْ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ
عَلَى الَّذِینَ مِن قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُونَ'' (بقرہ:۱۸۳) (اے ایمان والوں! تمہارے اوپر
روزے فرض کئے گئے ہیں، جس طرح کہ تم سے پہلے والوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تم تقویٰ
اختیار کرو)، حج وعمرہ کی تکمیل کا حکم دیا، حج کا متعین زمانہ طے کیا، اور اللہ کو یاد کرنے کا حکم دیتے
ہوئے فرمایا:''وَاذْکُرُواْ اللّهَ فِی أَیَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ فَمَن تَعَجَّلَ فِی یَوْمَیْنِ فَلاَ إِثْمَ عَلَیْهِ



وَمَن تَأَخَّرَ فَلا إِثْمَ عَلَیْهِ لِمَنِ اتَّقَى وَاتَّقُواْ اللّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّکُمْ إِلَیْهِ تُحْشَرُونَ ''(
بقرہ:۲۰۳) (اور اللہ کو گنتی کے (ان چند) دنوں میں (جب تم منیٰ میں مقیم ہو) یاد کرتے رہو، پھر
جو شخص دو ہی دنوں میں جلدی چلا جائے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے، اور جو شخص (ایک دن) بعد
میں جائے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، یہ اس کے لئے ہے جو تقویٰ اختیار کرے، اور تم سب تقویٰ
اختیار کرو اور یقین رکھو کہ تم سب کو اسی کی طرف لے جا کر جمع کیا جائے گا)۔ اللہ تعالیٰ نے
دو دنوں سے تاخیر کرنے کا حکم واضح کیا، محترم مہینوں کی تعیین فرمائی، معاہدات کو دنوں سے مربوط
فرمایا، اور بھی بہت سے احکام مخصوص اوقات کے ساتھ مربوط ہیں، جیسے زکاۃ:''وَآتُواْ حَقَّهُ یَوْمَ
حَصَادِهِ وَلاَ تُسْرِفُواْ إِنَّهُ لاَ یُحِبُّ الْمُسْرِفِینَ'' (انعام:۱۴۱) (اور جب ان کی کٹائی کا
دن آئے تو اللہ کا حق ادا کرو، اور فضول خرچی نہ کرو، یادرکھو وہ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں کرتا)۔
جب علماء امت نے دیکھا کہ امت کی عبادات، معاملات، تعلقات، جنگیں اور امن کے حالات
سب زمانہ سے، مہینوں، برسوں اور دنوں کے حساب نیز سورج چاند کی گردش سے بہت زیادہ
مربوط ہیں تو انہوں نے علم فلکیات کی بنیاد رکھی، اس لئے کہ اس کا شمار ان علوم میں سے ہوتا ہے
جن کے بغیر کسی واجب کی ادائیگی ممکن نہیں ہوتی، اس لئے اس علم کا حصول واجب تھا، اور یہی وجہ
تھی کہ بغداد، قاہرہ، شام ہندوستان اور اندلس کی تعلیم گاہوں اور دانش گاہوں کے نصاب تعلیم
اس سے خالی نہیں تھے، اپنے عہد عروج میں مسلم ماہرین نے اس علم سے متعلق متعدد آلات ایجاد
کئے تھے، جیسے اسطرلاب (وہ آلہ جس سے ہیئت داں ستاروں کی بلندی کا اندازہ لگاتے ہیں)
گھڑی اور دوربین، یہ اس وقت کی بات ہے جب مسلمانوں کی تہذیب غالب ورائج تہذیب تھی
، آپؐ کی آمد سے قبل عرب بالخصوص اہل مدینہ چاند وسورج کی گردشوں سے متعلق امور ومظاہر کے
سلسلے میں یہودیوں سے سوالات کیا کرتے تھے، اور یہودی اپنے علم کے مطابق انہیں ان
سوالات کے جوابات دیتے، جب آپؐ نے مدینہ منورہ ہجرت کی تو اس وقت بہت سے انصاری

صحابہ ان امور کی بابت یہودیوں کے حسابات پر اعتماد کرتے تھے جن میں حساب کی ضرورت پڑتی تھی ، جب اسلام مدینہ منورہ میں داخل ہوا تو یہودی مسلمانوں کے درمیان بے اطمینانی اور اختلافات پیدا کرانا چاہتے تھے، اور مسلمانوں کو یہ احساس دلانا چاہتے تھے کہ وہ (یہودی) اہل کتاب اور دائمی معلم و مربی ہیں، اسی پس منظر میں بعض صحابہ نے رسول اکرمؐ سے چاندوں کی بابت پوچھا کہ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے کہ وہ مہینہ کے آغاز میں تو چھوٹے ہوتے ہیں، اور پھر بڑے ہوتے جاتے ہیں، اور آخر مہینہ میں پھر چھوٹے ہونے لگتے ہیں۔

یہ سوال درحقیقت یہودیوں نے کچھ مسلمانوں کے ذریعہ بطور امتحان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرایا تھا، اس سوال کا جواب اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے دلوایا جو چاند کی پیدائش کی حکمت واضح کرتی ہے، اور یہ حکمت ظاہر و یقینی تھی، ایسا اس لئے ہوا کہ اگر اللہ سبحانہ تعالیٰ ان کو فلکی جواب دیتا تو وہ اسے سمجھ ہی نہیں پاتے ، اور اس طرح کچھ لوگ فتنوں میں پڑ جاتے ، اس کے بجائے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے مثالیں بیان فرمائیں، انہیں ایام و اوقات کی بابت بتایا، سورج کے سراپا روشنی اور چاند کے سراپا نور ہونے کا انہیں علم دیا، اور اس کی حکمت برسوں اور حساب کی معرفت بتائی، ''وَلِتَعْلَمُواْ عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلاً وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَآئِرَهُ فِيْ عُنُقِهِ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَاباً يَلْقَاهُ مَنشُوراً'' (بنی اسرائیل: ۱۲۔۱۳) (تاکہ تمہیں سالوں کی گنتی اور (زمانہ یعنی ایام اور مہینوں کے ) حساب کا علم ہو سکے، اور ہم نے ہر چیز کو الگ الگ واضح کر دیا ہے، اور ہر شخص (کے عمل) کا انجام ہم نے اس کے گلے سے چمٹا دیا ہے، اور قیامت کے دن ہم (اس کا) اعمال نامہ ایک تحریر کی شکل میں نکال کر اس کے سامنے کر دیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا)، اللہ نے ان کی منزلوں اور مشارق و مغارب کی بابت بتایا، جس نے فلکی فکر کی محکم بنیاد رکھی، اور اس پر مسلمانوں نے اس علم کو بڑھایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بتایا کہ انہیں رمضان و عید کے ایام اور



نمازوں کے اوقات کی تعیین کے سلسلے میں کسی بے جا زحمت کی ضرورت نہیں ہے، عبادت کو صحیح طریقہ پر ادا کرنے کے لئے جو ذریعہ وسبب بھی دستیاب ہو اسی کو کافی سمجھا جائے گا، اس لئے کہ اسباب وضعی احکام ہیں جن کی ایجاد و عدم ایجاد میں مکلّف کا کوئی کردار نہیں ہے، کیونکہ انہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے صرف حکمِ تکلیفی کی علامت بنایا ہے، اسی لئے اسباب، شروط وموانع جیسے احکام بطور تعبدی احکام مشروع نہیں ہیں، تعبدی احکام تو بس تکلیفی احکام ہیں۔

اختلاف مطالع اور آغاز مہینہ کے لئے حکمراں کی جانب سے اعلان کی شرط کی بابت آرا کو فقہا کے ذریعہ قبول کرنے کے سلسلے میں سیاسی اختلاف کا بہت کردار رہا ہے، ان عارضی امور کے متعدد عوامل تھے، جن میں شاید سب سے نمایاں سیاسی ومسلکی اختلافات تھے، اس عامل کا ہمارے زمانے میں انکار نہیں کیا جا سکتا ہے، اس لئے کہ وہ ایک معروف امر ہے۔

جب سے مجھے ''المجلس الفقہی لأ میرکا الشمالیۃ'' کا سربراہ مقرر کیا گیا تھا، اس وقت سے لے کر اس ذمہ داری سے استعفاد دینے تک کے طویل عرصہ میں مجلس میں اپنے رفقا واحباب کو میں اس رائے پر مطمئن کرنے کی کوشش کرتا رہا کہ جس ملک کی خلائی گاڑیوں کے لئے سائنس اور دقیق حسابات کی مدد سے چاند پر اسٹیشن بنائے جا رہے ہوں، اور وہ دیگر سیاروں کے گرد اپنے مدار بنا کر گردش کر رہی ہوں وہاں تو فلکی حساب کا اعتبار کر لینا چاہئے ، امریکا کے مسلمانوں کو تو بالخصوص '' سائنس پر عدم اعتماد اور اس کی بابت شکوک ظاہر کرنے کے شرمناک رویہ'' سے باز آ جانا چاہئے ، انہیں چاہئے کہ وہ اس سلسلہ میں بحث و مباحثہ کو اب ترک کر دیں، لیکن مجھے اپنی اس کوشش میں کامیابی نہیں ملی ، اس لئے کہ ہمارے ماہرین فلکیات فقیہ بننے لگے اور بہت سے فقہا اپنے آپ کو ماہرین فلکیات سمجھنے لگے ، اسی وجہ سے یہ معاملہ موقوف ہو گیا، لیکن پھر اللہ نے احباب ورفقا کو اس رائے پر مطمئن کر دیا، میری بہت خواہش ہے کہ '' المعہد العالمی للفکر الاسلامی یا '' اسنا'' ایک ایسا کیلنڈر جاری کریں جو اگلے ایک ہزار برس کے قمری مہینوں اور ہجری برسوں

کے آغاز کی تاریخ متعین کردے، تاکہ لوگوں کو راحت ملے، اور شاید پھر اس سلسلے میں بحث و مباحثہ کا سلسلہ بند ہو جائے، امریکا کے مسلمانوں کے لئے یہ مسئلہ بہت بڑا موضوع گفتگو بن گیا ہے، یہاں تک کہ ایک ظریف الطبع شخص نے تو یہ تک کہہ دیا کہ امریکا میں مسلمانوں کے سب سے بڑے مسائل گفتگو ''حلال و ہلال'' (ہلال: پہلی تاریخ کا چاند) ہی ہیں، المعہد العالمی للفکر الاسلامی نے اس کیلنڈر کو بنانے کے لئے متعدد سیمینار کئے، لیکن ابھی تک کوششیں بارآور نہیں ہوئیں، امید ہے کہ گزشتہ کاوشوں کے ساتھ یہ مطالعہ معاملات کو صحیح رخ دے گا، اور چاند کی بابت اس بے نتیجہ بحث کو ختم کردیگا، امید ہے کہ ڈاکٹر ذوالفقار یا کوئی اور صاحب علم ''حلال'' کی بابت بھی ایک کتاب تحریر کریں گے جو ریاستہائے متحدہ امریکا کے مسلمانوں کی ترجیحات تبدیل کردے گی، اور انہیں ان کے ان حقیقی مسائل پر متوجہ کرے گی جن کا تعلق مستقبل میں اسلام کے وجود، اسلام کے تعارف، اور امریکیوں کو یہ بتانے سے ہے کہ اسلام میں ان کے بہت سے سماجی مسائل کے حل ہیں۔

اس کتاب کے سامنے آنے پر میں برادرم ذوالفقار اور المعہد العالمی للفکر الاسلامی کا شکریہ ادا کرتا ہوں، اور اللہ تعالی سے دعا گو ہوں کہ وہ مسلمانوں کو خیر اور صحیح کاموں کی توفیق دے، بلاشبہ وہ دعاؤں کو سننے اور قبول کرنے والا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

ڈاکٹر طہ جابر علوانی

وائس چانسلر: جامعہ قرطبہ

☆☆☆

# تمہید

اس کتاب کا موضوع (قمری مہینوں کے آغاز کی تعیین میں فلکی حساب پر اعتماد) تابعین کے عہد سے ہی فقہا کے زیر غور رہا ہے، یہ کوئی نیا موضوع نہیں ہے، بلکہ جب سے فقہ اسلامی کا وجود ہے تب سے ہی اس مسئلہ پر فقہی مباحثہ جاری ہے، اور اس کی بابت اثبات ونفی کی آرا پائی جاتی رہی ہیں، کچھ حضرات اس کو متعین حدود کے ساتھ قبول کرتے رہے ہیں، اور کچھ حضرات اجمالی یا تفصیلی طور پر مسترد کرتے رہے ہیں، آگے ہم ایسے اسباب کا تفصیل سے تذکرہ کریں گے جن کے پیش نظر اب اس موضوع کی بابت کسی ایک رائے پر اتفاق ہونے کی ضرورت بڑھتی چلی جارہی ہے، اسی لئے ہمارا خیال ہے کہ اس مسئلہ کے سلسلے میں ایک گہرا، تمام پہلوؤں کو محیط فقہی مباحثہ مفید بلکہ ضروری ہے، تاکہ ہم اس کی مدد سے ایک ایسی فقہی رائے تک پہنچ سکیں جس کی صحت اور افادیت پر ہمیں اطمینان ہو۔

جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے اس موضوع پر مباحثہ عہد تابعین سے ہی پایا جانے لگا تھا، مشہور تابعی عالم مطرف بن عبداللہ بن شخیر سے یہ رائے منقول ہے کہ اگر مطلع ابر آلود ہو، اور اس کی وجہ سے آنکھ سے رویت ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں رمضان کے آغاز کے لئے فلکی حساب کا اعتبار صحیح ہے، اسی طرح مشہور شافعی فقیہ ابوالعباس بن سریج سے قول منقول ہے کہ فلکی حساب کا ماہر اپنے حساب پر اعتبار کرسکتا ہے، آں حضرتؐ کا ارشاد: ''صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته'' (چاند دیکھ کر رمضان کا آغاز کرو، اور چاند دیکھ کر رمضان کا اختتام کرو) تمام مسلمانوں کے لئے خطاب ہے، اور ارشاد نبوی: ''فان غم عليكم فاقدروا له'' کا مطلب ہے کہ اگر مطلع ابر آلود



ہو تو چاند کی منازل کا اندازہ کرو، اور یہ خطاب ماہرین فلکیات سے ہے، یا ان لوگوں سے ہے جو ستاروں کی گردش اور چاند کی منزلوں سے متعلق حسابات کا علم رکھتے ہیں، اسی طرح مشہور شافعی مجتہد امام تقی الدین سبکی نے مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں ماہِ رمضان کے آغاز کو ثابت کرنے کے لئے فلکی حساب کے استعمال کو صحیح قرار دیا تھا، اور اگر فلکی حسابات افق میں چاند کے وجود کو ناممکن قرار دیں تو ایسی صورت میں چاند کی رویت کا دعویٰ کرنے والوں کی گواہی کے مسترد کئے جانے کا قول اختیار کیا تھا، اس لئے کہ ان کے نزدیک یہ حسابات قطعی تھے اور رویت ظنی تھی، لہذا اگر فلکی حسابات اس بابت قطعی ہوں کہ چاند کا افق میں وجود ناممکن ہے، اور ایک یا دو گواہ چاند دیکھنے کا دعویٰ کریں تو ہم ان کے دعوے کو قبول نہیں کریں گے، اس لئے کہ ان کے دعوے میں خطا کا امکان ہے، اور ہوسکتا ہے کہ انہیں دیکھنے میں دھوکا ہوا ہو، جب کہ فلکی حسابات قطعی الثبوت ہیں، اور از روئے شریعت یقین چھوڑ کر شک کو قبول نہیں کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ اگر چاند کی اب تک پیدائش نہ ہوئی ہو تو اس کی رویت ناممکن ہے، اور شریعت ناممکن امور کو نہ قبول کرتی ہے نہ ان کا اعتبار کرتی ہے اور نہ ان پر اعتماد کرتی ہے۔

لیکن مشہور چاروں فقہی مسالک کے جمہور علما نے فلکی حسابات کو بالکل مسترد کردیا ہے، اسلامی مہینوں کے آغاز کے اثبات ونفی دونوں سلسلوں میں جمہور علما ان حسابات کو معتبر نہیں مانتے ہیں، چند قرآنی آیات واحادیث نبویہ سے استدلال کرتے ہوئے ان حضرات کا کہنا ہے کہ اسلامی مہینوں کا آغاز آنکھ کی رویت یا تیس دنوں کی تکمیل سے ہی ہوتا ہے، متقدم ومتاخر علما میں سے ایک بڑی تعداد نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ صرف آنکھ کی رویت سے ہی آغازِ مہینہ کے شرعی سبب ہونے پر علمائے امت کا اجماع ہے، بہت سے علما نے فلکی حسابات کو بھی اس بنا پر مسترد کردیا ہے کہ ان کی بنیاد اس علم نجوم پر ہے جس کی ممانعت متعدد احادیث میں کی گئی ہے، ان حضرات کا خیال ہے کہ جو لوگ فلکی حسابات لگاتے ہیں وہ علم غیب کے مدعی نجومی ہیں اور لوگوں کو

بہت گمراہ کرتے ہیں، یہ فقہا حدیث نبوی '' نحن أمة أمية لا نكتب ولا نحسب '' (ہم امی امت ہیں، نہ لکھتے ہیں اور نہ حساب کرتے ہیں ) کی بابت ایک خاص فہم رکھتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ فلکی حسابات دقیق نہیں ہیں اور ظنی وتخمینی ہیں، ان ہی بنیادوں پر ان فقہا کی ایک جماعت فلکیات اور علم نجوم کے ماہرین کو کافر کہتی ہے، اس لئے کہ (بقول مبارک بن محمد الجزری) '' یہ انسانی شیاطین ہیں''۔

لیکن ہمارا کہنا ہے کہ قرآن مجید میں کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے جو صراحت کے ساتھ یہ بتاتی ہو کہ ماہ رمضان کے آغاز کے لئے انسانی آنکھ کی رویت ہی شرعی طور پر مطلوب ہے ، بلکہ قرآن مجید میں کوئی ایسا لفظ یا اشارہ ایسا نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ ماہ رمضان کے آغاز کو ثابت کرنے کے لئے صرف آنکھ کی رویت ہی حتمی وسیلہ ہے۔

جب کہ احادیث کا معاملہ اس حوالہ سے ذرا مختلف ہے، اس لئے کہ متعدد احادیث کے ظاہری الفاظ اسی بات پر دلالت کرتے ہیں کہ رمضان کے روزوں کے وجوب کے لئے صرف آنکھ کی رویت ہی شرعی سبب ہے، مثلاً یہ دو احادیث: '' صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته '' (چاند دیکھ کر رمضان کے روزوں کا آغاز کرو اور چاند دیکھ کر ہی اختتام کرو)، '' لا تصوموا حتى تروه ولا تفطروا حتى تروه '' (جب تک چاند نہ دیکھو رمضان کے روزوں کا آغاز نہ کرو، اور جب تک چاند نہ دیکھو رمضان کے روزوں کا اختتام نہ کرو)، ان اور ان جیسی دیگر احادیث کا مطلب بہت سے علمائے امت نے یہ سمجھا ہے کہ ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ رمضان کے آغاز کو ثابت کرنے کے لئے آنکھ کی رویت ہلال کو فرض وسیلہ قرار دیا ہے، ان حضرات کا کہنا ہے کہ آنکھ کی رویت ہی شرعاً مطلوب ہے، اس کی جگہ کسی اور وسیلہ کو اختیار نہیں کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ ایسا کرنا شریعت وسنت کے خلاف ہے، لیکن جب ہم اس مسئلہ سے متعلق تمام احادیث کو جمع کرکے ان پر گہرا غور ومطالعہ کرتے ہیں تو اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ آغازِ مہینہ کو



ثابت کرنے کے لئے شریعت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف انسانی آنکھ کو ہی محض ایک طریقہ قرار دیا ہے، اور یہ رویت ماہ رمضان کے آغاز کی تعیین کے لئے بذات خود فرض نہیں ہے، بلکہ اس سلسلہ میں دیگر متبادل بھی ہیں جیسے تیس دنوں کی تکمیل، یا اندازہ کرکے مہینہ کا آغاز کرنا، جیسے آں حضرت کا ارشاد ہے: '' فان غم عليكم فأكملوا العدة '' (اگر مطلع ابر آلود ہو تو (تیس کا) عدد مکمل کرو) اور '' فان غم عليكم فاقدروا له '' (اگر مطلع ابر آلود ہو تو مہینہ کو مختصر کردو) یعنی ۲۹ دن کا مان لو '' فاقدروا له '' کا یہ مفہوم عربی زبان کے اعتبار سے صحیح ہے، قرآن مجید میں بھی یہ لفظ اس معنیٰ میں استعمال ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: '' يبسط الرزق لمن يشاء ويقدر '' (وہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں کشادگی کرتا ہے، اور جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں تنگی کرتا ہے)، مطرب بن عبداللہ بن شخیر اور ابن سریج نے اس کا مطلب اندازہ کرنا بتایا ہے یعنی ان کے نزدیک اس حدیث میں چاند کی منزلوں کا اندازہ کرکے شعبان کے ۲۹ یا ۳۰ دن کا ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

اس سب کی روشنی میں ہم اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں:

(۱) ماضی سے اب تک کبھی بھی اس بابت علمائے امت کا اجماع منعقد نہیں ہوا ہے کہ آغازِ مہینہ کے ثبوت کے لئے صرف دو ہی طریقے ہیں آنکھ سے رویت ہلال یا تیس دنوں کی تکمیل۔

(۲) شعبان کے ۳۰ ویں دن کی تکمیل کے بعد انسانی آنکھ کی رویت مطلوب نہیں ہے، اس لئے کہ مہینہ ۳۰ دن سے زیادہ کا نہیں ہوتا ہے، ایسی صورت میں بغیر رویت کے ہی ماہ رمضان کے آغاز کا یقین ہوجاتا ہے، اور رویت کی کوئی ضرورت نہیں رہتی ہے۔

اب تک جو کچھ ہم نے تحریر کیا ہے اس سے ہم اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ ان احادیث کا اصل مقصد یقین ہے، یعنی آغازِ عبادت اور اختتام عبادت کے وقت کا یقین۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ تیس تاریخ کو رویت اس لئے مطلوب نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں تیس تاریخ پر مہینہ ختم کرنے کا حکم دیا ہے، اور رویت یا مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں تیس دنوں کی تکمیل آغازِ مہینہ کے ثبوت کے وہ دو وسیلے ہیں جن کا حکم رسول اکرمؐ نے دیا ہے، اگر کوئی شخص یہ کہے تو اس سے ہم کہیں گے کہ تیس دونوں کی تکمیل کو آپؐ نے اس صورت میں وسیلہ بتایا ہے جب مطلع ابر آلود ہو، یعنی آپؐ نے علت کو اس کے سبب سے مربوط کیا ہے، علت تیس کے عدد کی تکمیل ہے، اور سبب ۲۹ ویں تاریخ کو مطلع ابر آلود ہونا ہے، جس کی وجہ سے رویت ہلال ممکن نہ ہو، اور عقل وشریعت دونوں کی رو سے یہ بات معروف ہے کہ سبب ومسبب کے درمیان باہم تلازم کا تعلق ہوتا ہے، یعنی وجود علت وسبب وجود کے درمیان وجود وعدم اور اثبات ونفی کے سلسلے میں ایک تعلق ہوتا ہے، لیکن مطلع ابر آلود ہو یا صاف ہو بہر صورت ۲۹ تاریخ کو چاند نہ نکلنے کی صورت میں تمام علما تیس کا عدد مکمل کرتے ہیں، انتیسویں تاریخ کو مطلع صاف ہونے کی صورت میں علما تیسویں تاریخ کو چاند دیکھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے ہیں؟ بلکہ انتیسویں تاریخ کو چاند دیکھنے کے وقت کے ختم ہوجانے کے فوراً بعد یہ اعلان کر دیتے ہیں کہ اگلے دن شعبان کی تیس تاریخ ہے، اور اس کے بعد والے دن رمضان کی پہلی تاریخ ہے، رمضان کے آغاز کے اعلان کے لئے کوئی بھی شخص کل کا اور چاند دیکھنے کی کوشش کئے جانے کا انتظار نہیں کرتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں تیس دن کا عدد مکمل کرنے کا مطالبہ کیا ہے، لیکن اس صورت میں (جیسا کہ ہم نے ذکر کیا) انتیسویں تاریخ کو مطلع صاف ہوتا ہے اور وہ چاند نہیں دیکھ پاتے ہیں اس طرح ہم اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ ایسا وہ اپنے اس یقین کی بنیاد پر کرتے ہیں کہ اسلامی مہینہ انتیس دن کا نہیں ہوسکتا ہے، اس لئے تیس تاریخ کو افق میں چاند ضرور موجود ہوگا، یعنی انہیں اس بات کا یقین ہوجاتا ہے کہ تیس شعبان کے بعد رمضان کا آغاز ہو ہی جائے گا۔ لہذا چاند دیکھنے کی کوئی ضرورت وہ محسوس



نہیں کرتے ہیں عام علما کی اس دلیل اور ان کے اس طرز عمل کو ہی بنیاد بنا کر ہم کہتے ہیں کہ آنکھ کی رویت نہ ہدف ہے اور نہ فی ذاتہ مقصود ہے، ہدف تو بس یقین ہے اور وہی مقصود بذاتہ ہے، اسی طرح ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ رویت یقین تک پہنچنے کا ایک دستیاب وسیلہ ہے، اب جب ہمیں آغازِ مہینہ کا یقین حاصل ہوجاتا ہے تو ہم اسے ثابت کر دیتے ہیں، خواہ رویت ہوئی ہو یا نہیں۔

آنکھ کی رویت کا مطالبہ کرنے والی دو احادیث ہم نے پیچھے ذکر کی تھیں ان میں سے ایک میں ایجابی اسلوب تھا اور دوسرے میں سلبی: ''صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته''(چاند دیکھ کر رمضان کے روزوں کا آغاز کرو، اور چاند دیکھ کر ہی اختتام کرو) اور'' لا تصوموا حتى تروه ولا تفطروا حتى تروه''(جب تک چاند نہ دیکھ لو رمضان کے روزوں کا آغاز نہ کرو اور جب تک چاند نہ دیکھو، رمضان کے روزوں کا اختتام نہ کرو)، یہ دونوں حدیثیں روزوں (رمضان) کے آغاز و اختتام کی تعیین کے لئے آنکھ کی رویت کو ہی تنہا وسیلہ بتاتی ہیں، تو پھر علما انتیسویں تاریخ کو مطلع ابر آلود نہ ہونے کی صورت میں بھی کیوں تیس دن کا مہینہ مکمل کرنے کو کہتے ہیں، حالانکہ آپؐ نے مطلع ابر آلود ہونے کو ہی رویت کے وسیلہ کو استعمال نہ کرنے کا سبب استثنا بتایا ہے، یہ گفتگو تو اس صورت میں ہے جب ہم ظاہر حدیث پر عمل کریں۔

اس کتاب کے اگلے صفحات میں ہم دیکھیں گے کہ فلکی حساب کے مکمل طور پر مسترد ہونے کا دعوی بالکل غلط ہے، اور اس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہے، فلکی حساب کو مہینہ کے آغاز کو ثابت کرنے یا اس کی نفی کرنے کے سلسلے میں مسترد کرنے پر علمائے اسلام کا اجماع نہیں ہے، ہاں یہ بات صحیح ہے کہ سلف میں سے اکثر علما نے اس کو مسترد کیا ہے، جمہور علمائے سلف کے اس موقف کی وجہ اس وقت امت کی امیت، علم نجوم سے وابستہ افراد کی گمراہی، فلکی حسابات اور چاند وستاروں کی گردش کی بابت علم کا دقیق نہ ہونا ہے، نیز انہیں یہ ڈر بھی تھا کہ اس نتیجہ میں کہیں لوگ علم غیب جیسے اعتقادی امور میں کسی گمراہی کے شکار نہ ہوجائیں، فلکی حساب کو علما کے ذریعہ

مسترد کئے جانے کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ یہودی اپنے قمری اور شمسی برس میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے فلکی حسابات پر ہی اعتماد کرتے تھے، اگر ہم ان اسباب کو سمجھیں جن کی وجہ سے ان علما نے یہ رائے اختیار کی تھی اور ہم ان کے ذکر کردہ اسباب کو اطمینان بخش اور لائق اعتبار سمجھتے ہیں تو ہم یہ بات بھی جانتے ہیں کہ ان اسباب کا ہمارے زمانے میں کوئی وجود نہیں ہے، اور اب انہیں ایسے اسباب نہیں مانا جاسکتا ہے جن کی بنیاد پر فلکی حساب کو مسترد کیا جاسکے یا اس کے اعتبار کو حرام قرار دیا جاسکے، حالات اب وہ نہیں رہے جو پہلے تھے، امت اب امی نہیں ہے ( گو کہ اس میں اب بھی امی افراد پائے جاتے ہیں ) اس لئے کہ اس میں اب بے شمار تعلیم یافتہ افراد ہیں، اور علم صرف چند افرادِ امت تک محدود بھی نہیں رہا ہے، پھر بھی ان امور کے ماہرین اور اس میدان کے وابستگان ماضی کی طرح شعبدہ باز، فریبی اور مدعیان غیب نہیں ہیں، بلکہ وہ ایسے ماہرین ہیں جنہوں نے اس شعبۂ علم کو اس کی ایسی دقیق علمی و ریاضی بنیادوں کے ساتھ حاصل کیا ہے جن میں خطا کا کوئی امکان ایک فی ہزار کے تناسب سے بھی نہیں ہے، وہ ان علوم کا مطالعہ یہودی یا عیسائی ہونے کی حیثیت سے نہیں محض ماہرین علم ہونے کی حیثیت سے مکمل غیر جانبداری کے ساتھ کرتے ہیں۔

ہم یہاں ان ماہرین فلکیات کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں جو سیاروں اور ستاروں کا گہرا علم رکھتے ہیں، اور اس علم کی روشنی میں چاند کی پیدائش کے اوقات اور سیاروں اور ستاروں کا گہرا علم رکھتے ہیں، سال بھر کی جنتری بنانے، نمازوں اور سحری وافطار کے اوقات کی تعیین کے سلسلہ میں ہم ان پر اعتماد کرتے ہیں، یہ وہ لوگ نہیں ہے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہیں تاروں، ان کی گردشوں اور مداروں کا علم ہے اور وہ ان کی مدد سے انسانوں کی قسمت وغیرہ بتا سکتے ہیں، اس طرح یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جمہور علمائے سلف نے جن اسباب کی بنیاد پر وہ موقف اختیار کیا تھا اب وہ تبدیل ہو چکے ہیں، اب نہ امت امی ہے اور نہ ماہرین فلکیات شعبدہ باز ہیں،



فلکی حسابات بھی اب غیر دقیق مشکوک نہیں ہیں بلکہ اب وہ قطعی و یقینی ہیں، ان کی صحت میں شک و مباحثہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے، بلکہ اس علم کے ماہرین کے بقول اگر وہ ایک سوئی کو فضا میں بھیجنا چاہیں تو ان کے خالص سائنسی آلات کے ذریعہ وہ بھی وہاں پہنچ جائے گی، ’’خالص سائنسی آلات‘‘ کہنے سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ اس علم کے ماہرین صرف منضبط اور تیز رفتار گردش کا علم رکھتے ہیں، وہ نہایت دقیق ڈیجیٹل وسائل کے ذریعہ چاند کا پیدائش کا وقت اور اس جیسے دیگر امور جان لیتے ہیں۔

جب ہم اس بات پر متفق ہوگئے کہ یہ علم اب غیبی امور سے بحث نہیں کرتا، اور اس علم کا کوئی بھی ماہر کسی بھی طور عالم غیب ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا ہے تو پھر علم فلکیات کو امت کے لئے کسی بھی طرح کا خطرہ یا فتنہ نہیں سمجھا جا سکتا ہے۔

اس طرح یہ بات معلوم ہوجاتی ہے کہ علمائے سلف نے جن اسباب کی بنا پر فلکی حسابات کو مسترد کر دیا تھا اب ان کا کوئی وجود نہیں بچا ہے، اور علت کے نہ پائے جانے کی وجہ سے اب اس کا حکم بھی باقی نہیں بچے گا، ہم پہلے بھی لکھ آئے ہیں کہ علت و معلول سبب و مسبب کی طرح لازم و ملزوم ہیں، یہ معروف و متفق علیہ عقلی، فقہی و اسلامی قاعدہ ہے، تاریخ اسلامی میں اس جیسے اور بھی بہت سے مواقع پیش آئے ہیں کہ ایک عرصہ تک قائم رہنے والا حکم علت کی تبدیلی کیوجہ سے بدل گیا، حضرت عمر فاروقؓ کے طریقۂ کار میں اس سلسلہ میں واضح مثال ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کوئی جامد و تنگ دین نہیں ہے، وہ مقاصد کا دین ہے، نہ کہ جامد رسم و رواج کا، یعنی مقصد پر حکم کا مدار ہے، اس کے وجود و عدم وجود سے ہی حکم کا وجود و عدم وجود وابستہ ہے، یہی اس دائمی شریعت کے وجود کا راز ہے، دوسرے خلیفۂ راشد حضرت عمر بن خطابؓ نے قرآن و سنت کے قطعی و ثابت حکم کو اس لئے ملغی کر دیا تھا کہ ان کے نزدیک اس حکم کے اسباب میں تبدیلی آگئی تھی، لہذا اب حکم کے باقی رہنے کا بھی کوئی سبب نہیں ہے، حضرت عمرؓ نے مصارف زکاۃ میں سے

ایک مصرف (مؤلفۃ القلوب) کو یہ کہتے ہوئے ملغی کیا تھا کہ اسلام اب ایسا مستحکم ہوگیا ہے کہ اسے کسی کی تالیف قلب کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس طرح آپؓ نے ایک ایسا حکم ملغی کر دیا تھا جو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے، نہایت واضح الدلالہ ہے اور کسی قسم کی تاویل کا امکان اس میں نہیں ہے، حضرت عمرؓ اس بات کو جانتے تھے، انہوں نے اس کا کوئی اور مطلب بیان نہیں کیا، یہ مانا کہ قرآن مجید میں یہ حکم بیان کیا گیا ہے، لیکن انہوں نے یہ سمجھا کہ اب علتِ حکم موجود نہیں رہی ہے، حالانکہ اس حکم پر رسول اکرمؐ اور آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے عمل کیا تھا، لیکن اس کے باجود قرآن، سنت اور عملِ خلیفۂ اول سے ثابت حکم کو ملغی کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں ہوا، اس لئے کہ حضرت عمرؓ دین حنیف کے اموراور جوہر کو سمجھ لیا تھا اس لئے انہوں نے اس کی بنیاد پر عمل کیا تھا، خاص بات یہ ہے کہ ان کی اس رائے پر صحابہ کرام نے ان پر اعتراض نہیں کیا، اوران پر دین میں تحریف، سنت نبوی سے انحراف، ثابت شرعی نصوص کے بجائے اپنی رائے پر اعتماد کرنے کا الزام نہیں لگایا، جب حضرت عمرؓ نے دیگر صحابہ کرامؓ کے سامنے اس مسئلہ کی بابت اپنا نقطۂ نظر واضح کیا تو تمام صحابہ نے ان کی اس رائے کو قبول کرلیا، حضرت عمرؓ کے یہاں اس طرح کے فقہی اجتہادات بکثرت پائے جاتے ہیں، ان تمام کا ذکر موجب طوالت ہے اس لئے اس سے اجتناب کیا جارہا ہے، لیکن یہ تمام مسائل اسی قبیل کے ہیں، اوران کی بنیاد مصلحتِ امت، اللہ کے بندوں کے لئے تیسیر اور حکم کو علت سے مربوط رکھنے پر ہے۔

آنکھ کی رویت کے بدلے فلکی حسابات پر اعتماد کا معاملہ حضرت عمرؓ کے منہج سے بالجملہ اور بالتفصیل بالکل بھی مختلف نہیں ہے، آنکھ کی رویت سے جو مقصد شارع کو مطلوب تھا فلکی حسابات اسی کو یقینی بناتے ہیں، یہ مقصد ہے مہینہ کے آغاز و اختتام کو صحیح وقت پر کرنا، آنکھ کی رویت کے مقابلہ میں یہ مقصد فلکی حسابات کے ذریعہ کہیں زیادہ وجود میں آتا ہے، اس لئے کہ آنکھ کی رویت ایسے بہت سے خارجی عوامل پر اعتماد کرتی ہے جو اس کی صحت اور دقت پر اثر انداز



ہوتے ہیں، مطلع ابر آلود ہے یا صاف، نگاہ کیسی ہے؟ سورج سے چاند قریب ہے یا دور، یہ اوران جیسے بہت سے عوامل رویت کو ظنی بنادیتے ہیں، جب کہ جیسا کہ ہم نے پیچھے لکھا ہے ہم بالکل یقینی طور پر یہ بات جانتے ہیں کہ فلکی حسابات قطعی الثبوت اور نہایت دقیق ہیں۔

ہماری اسلامی اور فقہی تاریخ ایسی بہت سی مثالوں سے بھری پڑی ہے جن میں علت میں تبدیلی ہوئی تو حکم بھی بدل گیا، ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ہر نئی بات کی مخالفت کی جاتی ہے، اور ہر نامانوس چیز کو ایک عرصہ تک مسترد کیا جاتا ہے، جس مجتہد وفقیہ کی آرا کی بنا پر اس کی مخالفت کی جاتی ہے بعد میں اسے ہی لوگ صاحبِ بصیرت مان لیتے ہیں، یہ مخلوق کی بابت سنت اللہ ہے کہ ہر نئی چیز کی صرف اس کے نئے ہونے کی وجہ سے مخالفت کی جاتی ہے، یہاں تک کہ اسی وجہ سے اللہ کے دین کی بھی مخالفت کی گئی تھی کہ ''ہم نے یہ بات اپنے پیشروں سے نہیں سنی تھی'' پھر جب لوگوں کو اس دین کی حقانیت کا پتہ چل گیا تو وہ گروہ درگروہ اس میں داخل ہونے لگے۔

فلکی حسابات کے استعمال و اعتبار کا موضوع بھی ان ہی امور میں سے ایک ہے جنہیں ابتدا میں صرف اس لئے مسترد کردیا گیا کہ وہ غیر مانوس تھے، اور مسلمانوں کے یہاں معمول بہ نہیں تھے، سمت قبلہ کی تعیین میں بھی اس طرح کے اصولوں کے استعمال کی بابت شروع میں یہ رویہ تھا، امام احمد بن حنبل اور ابن رجب حنبلی جیسے عظیم تر فقہا اس کے خلاف تھے، اور اسے مسلمانوں کے لئے گمراہی اور گمراہ کن سمجھتے تھے، اور یہ کہتے تھے کہ ان اصولوں کی رعایت کے نتیجہ میں یہ ماننا لازم آتا ہے کہ صحابہ نے مختلف علاقوں کو فتح کرکے جب قبلہ کی تعیین حدیث نبویؐ کی بنا پر مشرق ومغرب کے درمیان کی تھی، تو اس وقت کی ان کی نمازیں باطل تھیں۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مشرق ومغرب کے درمیان قبلہ ہے''۔(۱)

(۱) نسائی احمد بن شعیب، سنن النسائی، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول ۱۴۱۱ھ۔ ۱۹۹۱ء: ۴۲۶/۷

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ بیت اللہ کی جانب رخ کیا جائے تو مشرق ومغرب کے درمیان قبلہ ہے۔(۱)

زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد معروف بہ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں: ''اس طرح یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ہمارا دین حساب کتاب کا محتاج نہیں ہے، جیسے اہل کتاب اپنی عبادات کے اوقات سورج کی گردش کی بابت حسابات سے منضبط کرتے ہیں، ہمارے دین میں روزوں کے آغاز کورویت ہلال پر معلق کیا گیا ہے جو کہ آنکھ سے دکھ جاتا ہے، ااور اگر مطلع ابر آلود ہوتا ہے تو ہم تیس دن کا عدد مکمل کر لیتے ہیں، ہمیں کسی حساب کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، دن کے جس حصے میں روزہ رکھا جاتا ہے اس کی تعیین بھی سورج پر معلق ہے، اور جس کا ادراک آنکھ سے کیا جاسکتا ہے، اس کا آغاز طلوع صبح صادق سے ہوتا ہے، اور وہ زمین پر سورج کا ابتدائی اثر ہے، اور اس کا اختتام غروب آفتاب کے وقت ہوتا ہے، اسی طرح سورج کی گردش سے ہی اوقات نماز متعین ہوتے ہیں، فجر کی نماز کے وقت کا آغاز طلوع صبح صادق ہے، اور آخر وقت طلوع آفتاب ہے، ظہر کے آغاز کا وقت زوالِ آفتاب ہے، اور آخر وقت وہ ہے جب ہر چیز کا سایا اس کے مثل (یا دو مثل) ہوجائے، یہی عصر کے وقت کا آغاز ہوتا ہے، اور آخر وقتِ مغرب شفق کا غروب ہے، غروب شفق سے ہی عشا کے وقت کا آغاز ہوجاتا ہے، جو نصفِ لیل یا ثلثِ لیل تک اور معذورین کے لئے پوری شب جاری رہتا ہے، ان سب کے لئے کسی حساب کتاب کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، اسی طرح قبلہ کے لئے بھی کسی حساب کتاب کی ضرورت نہیں، مدینہ، شام، عراق وخراسان میں وہ مشرق ومغرب کے درمیان میں ہوتا ہے''۔(۲)

---

(۱) ابن انس، مالک، الموطا، تحقیق: محمد مصطفیٰ اعظمی، ابوظبی: مؤسسۃ زاید بن سلطان آل بیان، طبع اول، ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء، ۲/ ۱۰۲)

(۲) ابن رجب حنبلی، عبدالرحمان بن احمد۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری، تحقیق: ابو معاذ طارق بن عوض اللہ بن محمد، مطبوعہ دار ابن الجوزی، دمام، طبع دوم، ۱۴۲۲ھ، ۳/ ۱۴۲



اثرم نے نقل کیا ہے کہ امام احمد کی خدمت میں کسی نے عرض کیا کہ کیا اہل بغداد کا قبلہ برج جدی کی سمت ہے؟ آپ نے اس سوال پر نکیر فرمائی اور فرمایا: یہ جدی کیا ہے؟ اہل بغداد کا قبلہ حضرت عمر کے اثر کے مطابق ''مشرق ومغرب کے درمیان'' ہے۔(۱)

ابن رجب نے بھی لکھا ہے کہ: ''امام احمد کا یہ ارشاد ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ جو شخص نماز میں قبلہ کی سمت سے تھوڑا دائیں بائیں جانب ہوجائے، لیکن مشرق ومغرب کے درمیان ہی اس کا رخ رہے تو اس کی نماز مکمل ہے، اگر چہ بہتر یہی ہے کہ بالکل درمیان میں رہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ نے بہت سے شہروں کو فتح کرنے کے بعد قبلہ کی سمت کی تعیین کی وہ حساب دانوں کے علم سے مختلف تھی، اور مسلمان ان کے بعد ان ہی سمتوں کی جانب منھ کر کے نماز پڑھتے رہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عین قبلہ کی جانب رخ کرنا افضل نہیں ہے، واجب ہونے کا تو سوال کیا ہے؟ اسی لئے جب متعدد فقہاء متاخرین نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے عین قبلہ کی جانب رخ کرنے کو مستحب یا واجب کہا، اور عین قبلہ کی تعیین کے لئے تاروں وغیرہ سے مدد لی تو انہوں نے پایا کہ بہت سے شہروں میں چلا آرہا قبلہ حقیقی قبلہ سے مختلف ہے، اس کی وجہ سے لوگوں کو صحابہ ودیگر اسلافِ امت کی (نمازوں کی) بابت بہت شکوک وشبہات پیدا ہونے لگے، بعض حضرات نے حساب کے مطابق دریافت شدہ قبلہ کی رعایت کو لازم قرار دیا اور پہلے جن مسجدوں کی تعمیر پرانے قبلہ کے اعتبار سے ہوئی تھی ان میں سمتوں کی تصحیح وترمیم کو لازم قرار دیا، جیسا کہ حرب کرمانی نے ذکر کیا ہے، اس سے امت کے اسلاف کو گمراہ کہنا اور ان کو نمازوں پر اعتراض لازم آیا''۔(۲)

دیکھئے آغاز میں علما کا کیا موقف تھا؟ لیکن پھر قبلہ اور سمتوں کی تعیین میں فلکی حسابات کا

---

(۱) حوالۂ بالا ۳/ ۱۴۱۔

(۲) حوالۂ بالا، ۳/ ۱۴۱

استعمال ہی بنیاد بن گیا۔

یہی حال پانچ نمازوں کے اوقات کی تعیین کا ہے، شروع میں تمام فقہی حلقوں کے فقہا نے اس سلسلے میں فلکی حسابات کے استعمال کو بالکل مسترد کر دیا، اور مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ ان احادیث نبویہ پر مضبوطی سے عمل کریں جنہوں نے سایہ کو نمازوں کے اوقات کی تعیین کا تنہا ذریعہ قرار دیا ہے، جیسے امام مالک کی موطا میں ذکر کردہ یہ روایت ''حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے عمال کو یہ خط لکھا کہ میرے نزدیک تمہارا سب سے اہم کام نماز ہے، جس نے نماز کی حفاظت اور پابندی کی اس نے اپنے دین کی حفاظت کی، اور جس نے نماز کو ضائع کر دیا وہ دیگر اعمالِ دینی کو زیادہ ضائع کرنے والا ہے، پھر آپ نے لکھا: ظہر کی نماز سایہ کے ایک ہاتھ ہونے سے لے کر ایک مثل ہونے تک کے درمیان میں پڑھ لیا کرو، اور عصر کی نماز اس وقت پڑھو جب سورج اونچا، سفید و روشن ہو، اور غروب آفتاب میں اتنا وقت باقی ہو کہ سوار دو تین فرسخ کا فاصلہ طے کر سکے، اور مغرب کی نماز اس وقت پڑھو جب سورج غروب ہو جائے، اور عشا کی نماز غروب شفق سے لے کر ثلثِ لیل کے درمیان میں پڑھو جو (عشا چھوڑ کر) سونے کی کوشش کرے اسے نیند نہ آئے جو سونے کی کوشش کرے اسے نیند نہ آئے، جو سونے کی کوشش کرے اسے نیند نہ آئے، اور فجر کی نماز اس وقت پڑھو کہ ستارے بڑی تعداد میں نظر آ رہے ہوں (۱)

امام مسلمؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کردہ یہ حدیث ذکر کی ہے کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ظہر کا وقت زوالِ آفتاب سے لے کر اس وقت تک ہے جب تک انسان کا سایہ اس کے بقدر نہ ہو جائے یعنی عصر کے وقت تک، عصر کا وقت سورج کے زرد ہونے تک ہے، مغرب کی نماز کا وقت غیابِ شفق تک ہے، عشا کی نماز کا سورج کے زرد ہونے تک ہے ،مغرب کی نماز کا وقت غیابِ شفق تک ہے، عشاء کی نماز کا وقت نصفِ شب تک ہے، فجر کی نماز کا

(۱) مالک، موطا، حوالۂ بالا، ۱/۷



وقت طلوع صبح صادق سے طلوع آفتاب تک ہے، سورج طلوع ہو جائے تو نماز نہ پڑھو کہ وہ شیطان کی سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے'' (۱)۔

ان احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازوں کے اوقات کو سورج کی گردش سے مربوط کیا ہے، انہیں فلکی حسابات یا دیگر کسی علامت سے مربوط نہیں کیا ہے، احادیث کے یہ نصوص صریح ہیں، ان میں کسی طرح کی تاویل کی گنجائش نہیں ہے، ابن رجب لکھتے ہیں: ''نمازوں کے اوقات کو سورج کی گردش پر معلق کیا گیا ہے، فجر کی نماز کا وقت صبح صادق کے طلوع سے شروع ہوتا ہے، اور طلوع آفتاب تک جاری رہتا ہے، ظہر کے وقت کا آغاز زوالِ آفتاب سے ہوتا ہے، اور سایہ کے ایک مثل ہونے تک رہتا ہے، اسی وقت سے عصر کے وقت کا بھی آغاز ہو جاتا ہے، جو سورج کے زرد ہونے یا غروب ہونے تک جاری رہتا ہے، غروبِ آفتاب سے مغرب کے وقت کا آغاز ہوتا ہے جو غروبِ شفق تک جاری رہتا ہے، یہ عشا کے وقت کا آغاز ہوتا ہے اور نصفِ لیل یا ثلث لیل تک جاری رہتا ہے، معذورین کے لئے یہ وقت طلوع صبح صادق تک رہتا ہے، اس سب کے لئے کسی حساب کتاب کی ضرورت نہیں ہے''۔(۲)

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اب اوقات نماز کی تعیین بلا کسی تذبذب کے فلکی حسابات کے ذریعہ کی جاتی ہے۔

خیال رہے کہ نماز کے اوقات کی تعیین میں سورج کی گردش کا استعمال صرف رسول اکرمؐ کا حکم نہیں تھا، بلکہ آپ کو اس کی تعلیم حضرت جبرئیلؑ نے دی تھی، انہوں نے آپؐ کو یہ بھی بتایا تھا کہ یہی گزشتہ انبیا کے بھی اوقاتِ نماز تھے، جیسا کہ امام ترمذیؒ کی ذکر کردہ اس روایت سے

(۱) ابن حجاج، مسلم، صحیح مسلم، تحقیق محمد فؤاد عبد الباقی، بیروت: دار احیاء التراث العربی، تاریخ طباعت درج نہیں، ص: ۲۹۴۔

(۲) ابن رجب، فتح الباری، ۳/ ۱۴۲

معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: جبرئیلؑ نے بیت اللہ کے پاس دودن مجھے اپنی امامت میں نماز پڑھائیں، پہلے دن انہوں نے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سایہ جوتے کے تسمے کے برابر تھا، عصر اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل تھا، پھر مغرب کی نماز سورج کے غروب ہوتے ہی پڑھی، یعنی اس وقت جب کہ روزہ دار افطار کرتا ہے، عشا کی نماز شفق کے غائب ہونے کے وقت پڑھی، یعنی اس وقت جب کہ روزہ دار افطار کرتا ہے، عشا کی نماز شفق کے غائب ہونے کے وقت پڑھی، فجر کی نماز اس وقت پڑھی جب صبح صادق کی روشنی ہوئی یعنی اس وقت جب روزہ دار پر کچھ بھی کھانا پینا حرام ہوجاتا ہے، دوسرے دن ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہوجاتا ہے، یعنی اس وقت جس وقت گزشتہ روزہ عصر پڑھی تھی، عصر کی نماز اس وقت پڑھی جب سایہ دومثل ہوگیا، پھر مغرب کی نماز گزشتہ روز کے ہی وقت پڑھی اور عشا کی نماز ثلثِ لیل ہونے پر پڑھی، پھر صبح کی نماز اسفار پر پڑھی، پھر جب جبرئیل میری طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے فرمایا: اے محمدؐ! یہ تم سے پہلے کے انبیا کا وقت ہے، اور نماز کا وقت ان دونوں دنوں کے اوقاتِ نماز کے درمیان ہے''، امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: ''حضرت ابوہریرہ، بریدہ، ابوموسی، ابومسعود انصاری، ابوسعید، جابر، عمرو بن حزم، براء اور انسؓ سے اس معنیٰ کی روایتیں نقل کی گئی ہیں''(۱)

جن متقدم علما نے نمازوں کے اوقات کی تعیین میں فلکی حسابات کے استعمال کو مسترد کیا تھا، انہوں نے ایسا صرف ان احادیث کے اپنے فہم کی بنیاد پر کیا تھا جو نماز کے اوقات کو سورج کی گردش سے مربوط کرتی ہیں، اس سلسلے میں انہوں نے (چند معاصر علما کی طرح) سورج سے متعلق فلکی حسابات اور چاند سے متعلق فلکی حسابات میں کوئی فرق نہیں کیا تھا، یعنی ان متقدمین کے

(۱) سنن ترمذی، تحقیق: احمد محمد شاکر و دیگر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، تاریخ طباعت درج نہیں، ۱/ ۲۵۵



نزدیک فلکی حسابات اسی لئے ناقابل قبول تھے کہ وہ ان کی نگاہ میں احادیث کے ظاہر کے خلاف تھے، جیسا کہ ابن عابدین نے لکھا ہے اور اپنی تائید میں ابن دقیق العید کا قول بھی نقل کیا ہے:

''بینہ پر عمل کرنے میں آپؐ کی نماز کی مخالفت نہیں ہے، ہماری رائے کی دلیل یہ ہے کہ شارع نے حساب پر اعتماد نہیں کیا ہے، بلکہ اسے بالکلیہ غیر معتبر قرار دیا ہے، فرمایا ہے: ''ہم امی امت ہیں، نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں، مہینہ اتنے اور اتنے (۲۹ یا تیس) دن کا ہوتا ہے''، ابن دقیق العید نے لکھا ہے کہ نماز کے سلسلے میں حساب پر اعتماد جائز نہیں ہے''(۱)۔

نمازوں کے اوقات کی تعیین کے سلسلے میں فلکی حسابات کے استعمال کو جائز قرار دینے والے علما نے یہ استدلال کیا ہے کہ شارع نے سورج کی گردش کی رویت کو نمازوں کے اوقات کی تعیین کا سبب بتایا ہے، حساب کو نہیں بتایا ہے، اسی لئے انہوں نے فلکی حساب کو مکمل طور پر مسترد کردیا ہے، جیسا کہ ہم نے اوپر ابن رجب اور ابن دقیق العید کے قول میں دیکھا ہے، لیکن قرافی جیسے بعد کے فقہا نے متقدمین کی اس بات سے اختلاف کیا ہے کہ سورج کی گردش کی رویت نمازوں کے اوقات کی تعیین کا سبب ہے، بعد کے ان فقہا نے نمازوں کے اوقات کی تعیین کا سبب رویت کو نہیں وقت کے تحقق کو قرار دیا ہے، ان متاخرین کے نزدیک حساب یا گھڑی جیسے کسی بھی ذریعہ سے وقت کا تحقق ہوسکتا ہے، لہذا ان ذرائع کا استعمال جائز ہے۔

بطور مثال ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر مالکی فقہا نے اسے بالکل مسترد اور ناقابل قبول مانا ہے، اور اپنے ہی حلقہ کے ایک فقیہ امام قرافی کی اس بات پر سخت تنقید کی ہے کہ انہوں نے نمازوں کے اوقات کی تعیین میں فلکی حسابات کے استعمال کو جائز قرار دیا ہے۔

قرافی لکھتے ہیں: ''اوقات نماز کی بابت پہلا مسئلہ: مؤذنین کا معمول یہ رہا ہے کہ وہ جب فلک کے درمیانی حصہ یا کسی اور حصہ کی ایسی حالت کا مشاہدہ کرلیتے ہیں جو اس بات کا پتہ

(۱) ابن عابدین، رد المحتار علی الدر المختار، مطبوعہ دار الفکر للطباعۃ والنشر، بیروت، ۱۴۱۲ھ/ ۲۰۰۰ء، ۷/ ۳۶۶

دیتی ہے کہ سورج افق کے اتنا قریب آچکا ہے کہ اب صبح صادق مخفی نہیں رہ سکی تو وہ لوگوں کو نماز وروزہ کا حکم دے دیتے ہیں، حالانکہ افق بالکل صاف ہوتا ہے، اتنا صاف کہ صبح صادق کا طلوع مخفی نہیں رہ سکتا، لیکن پھر بھی لوگوں کو صبح صادق کا کوئی اثر نظر نہیں آتا ہے، یہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کی فرضیت کا سبب افق کے اوپر صبح صادق کے ظہور کو قرار دیا ہے، جو کہ ابھی تک نہیں ہوا ہوتا ہے، اس وقت نماز نہیں ہوتی ہے اس لئے کہ اس صورت میں نماز قبل از وقت اور بغیر وجود سبب کے پائی جاتی ہے، یہی معاملہ دیگر نمازوں کے اوقات کی بابت بھی ہے، اگر کوئی شخص یہ اشکال کرے کہ آپ کا رجحان تو رویت کے لازمی ہونے کی جانب ہے، اور آپ نے رویت وعدم رویت کے درمیان فرق کیا ہے، آپ نے چاند کے سلسلے میں رویت کو اور اوقاتِ نماز کے سلسلے میں رویت کے بجائے وقت ہوجانے کو قرار دیا ہے، آپ نے رویت کی شرط لگا کر اپنے ذکر کردہ فرق کو خود ہی غلط قرار دے دیا ہے۔''(۱)

قرافی نے اس کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے: ''میں اس سوال کے جواب میں کہوں گا یہ ایک اچھا سوال ہے، اور اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے اوقاتِ نماز کی بابت رویت کی شرط نہیں لگائی ہے بلکہ طلوع صبح صادق کے حسی ادراک نہ ہونے کو اس کے طلوع نہ ہونے کی دلیل بنایا ہے، اس لئے کہ رویت ہی سبب ہے، یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے مطلع صاف ہو، عوام الناس کا جم غفیر اس کو دیکھنے کے لئے نکلے اور چاند نظر نہ آئے تو میں اس کو اس بات کی دلیل بناؤں گا کہ چاند سورج کی شعاعوں میں چھپ کر رہ گیا، اسی طرح اگر مجھے زوال کے وقت سایہ مغرب کی جانب جھکا ہوا نظر آئے، اور مشرق کی جانب مائل نہ ہو بلکہ دونوں سمتوں کے درمیان ہو تو ہم اسے وقت نہ ہونے اور سبب نہ پانے جانے کی دلیل بناتے ہیں، پس یہاں حس کے سبب ہونے یا عدم سبب

(۱) قرافی، انوار البروق فی انواع الفروق، تحقیق: خلیل المنصور، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۸ھ، ۱۹۹۸ء، ۱۴۲/۴



کے دلیل ہونے کے درمیان فرق ہے، صبح صادق میں میں اسے عدمِ سبب کی دلیل بناتا ہوں، لیکن رویت کی شرط نہیں لگاتا ہوں، یہی وجہ ہے کہ میری یہ رائے اسی وقت ہے جب آسمان صاف ہو، اور صبح صادق کا کہیں کوئی وجود نظر نہیں آرہا ہو، اگر ماہرین فلکیات کے حساب کے مطابق ہی آسمان صاف ہونے کی صورت میں صبح صادق حقیقتاً طلوع ہوجایا کرتی ہو اور پھر مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں نظر نہ آئے تو میں کہوں گا کہ صبح صادق خود تو معدوم نہیں ہے، لیکن بادلوں کی وجہ سے نظر نہیں آرہی ہے، لیکن جب میں نے دیکھا کہ آسمان صاف ہونے کی صورت میں ان کا حساب صحیح نہیں ہوتا اور اس کے مطابق صبح صادق نہیں ہوتی تو میں سمجھ گیا کہ ان کا حساب عدم سبب کے مثل ہے، اس لئے کہ حس جس طرح صبح صادق کے طلوع پر دلالت کرتی ہے، اسی طرح تاریکی کی بنا پر عدم طلوع صبح صادق پر بھی دلالت کرتی ہے، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ میں نے چاند واوقات نماز میں یکساں رائے کیوں نہیں اختیار کی''۔(۱)

پورے عالم اسلام کا جائزہ لے کر بتائیے کہ کتنے مسلمان آج لکڑی کے سایہ کے ذریعہ نماز کے وقت کی ابتدا کا علم حاصل کرتے ہیں۔

شیخ محمد شید رضا کہتے ہیں: ''رمضان اور شوال کی پہلی تاریخ کا اثبات پنج وقتہ نمازوں کے اوقات کے مثل ہیں، شارع نے انہیں ان امور سے مربوط کیا ہے جن کا علم ہر شہری و دیہاتی کی لئے آسان ہے، .........اس سے شارع کو مقصود ان اوقات کا علم ہے نہ کہ رویت ہلال یا خیط ابیض وخیط اسود کی تمیز، ظہر کے وقت زوال کے سایہ کی رویت، عصر کے وقت ہر چیز کے سایہ کے ایک مثل ہونے کی رویت، اور مغرب وعشا کے وقت غروبِ آفتاب وغروبِ شفق کی رویت جیسے اعمال کی بطور عبادت ادائیگی، عبادت کے اوقات کے پیمانوں سے شارع کو بس ان کا علم مقصود ہے، آپ ؐ نے مہینہ کو رویتِ ہلال یا تعداد کی تکمیل سے مربوط کیا ہے تو اس کی وجہ یہ بتائی

(۱) حوالۂ بالا۔

ہے کہ اس وقت امت امی تھی، اور آپ کی بعثت کا ایک مقصد امت کو امیت سے نجات دلانا تھا نہ کہ اس میں مبتلا رکھنا''۔(۱)

شیخ رشید رضا لکھتے ہیں: ''حاصل کلام یہ ہے کہ ہمارے سامنے دو صورتیں ہیں: یا تو ہم نصوص کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے تمام اوقاتِ عبادات کی تعیین میں رویت کو امر تعبدی مانتے ہوئے لازمی قرار دیں، ایسی صورت میں ہر مؤذن کے لئے لازمی ہوگا کہ وہ صبح صادق کی روشنی اور زوال وغروب.........وغیرہ دیکھے بغیر اذان نہ دے، یا ہم قطعی حساب پر عمل کریں، اس لئے کہ وہ مقصد شارع سے قریب تر ہے، یہ مقصد ہے: اوقات کا قطعی علم اور ان کی بابت اختلاف نہ ہونا، ایسی صورت میں ایک ایسا عام کیلنڈر بنایا جا سکتا ہے جس میں ہر علاقہ میں چاند دکھنے کے اوقات لکھ دیے جائیں، اور اس کلینڈر کو پوری دنیا میں تقسیم کر دیا جائے، اگر ہر علاقہ میں کچھ لوگ مزید چاند دیکھنے کا بھی اہتمام کریں تو یہ تو ''نور علیٰ نور'' ہے، لیکن یہ صورت کہ چاند کے سلسلے میں فلکی حساب کا اعتبار نہ کیا جائے اور دیگر امور میں کیا جائے تو اس کی کوئی دلیل ومعقولیت نہیں ہے، یہ بات تو کسی بھی امام مجتہد نے نہیں کہی ہے''۔(۲)

یہی حال اتحاد مطالع اور اختلاف مطالع کا ہے، امام احمد بن حنبل اور بہت سے حنفی، مالکی وشافعی فقہا کی رائے یہ ہے کہ ارشاد نبوی: صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته (چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزوں کا اختتام کرو) سے آپ ﷺ کا مقصد اتحاد مطالع تھا، آپ ﷺ کا خطاب پوری امت کے لئے تھے۔ امام قرافیؒ نے مالکیہ وحنابلہ کی رائے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''قریب ودور کے کسی مقام پر چاند کی رویت اگر ثابت ہوجائے تو تمام لوگوں کے لئے روزہ لازمی ہوجائے گا، اور نہ دیکھنے والے کا حکم دیکھنے والے جیسا ہی ہے، اگر چہ

(۱) رضا، محمد رشید، تفسیر القرآن الحکیم المشہور تفسیر امنار، قاہرہ، الھیئۃ العصریہ العامہ للکتاب، ۱۹۹۰ء، ۲/۱۴۹۔۱۵۰۔

(۲) حوالہ بالا، ۲/۱۵۱



مطالع کا اختلاف نصاً ثابت ہی کیوں نہ ہو، امام احمدؒ کہتے ہیں: ''پوری دنیا میں ہلال ایک ہی ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''اسے دیکھ کر روزے رکھو''، اور یہ پوری امت کو کیا گیا خطاب ہے''۔

امام ابن قدامہ مقدسی تمام مسلمانوں کے لئے اتحاد مطالع کو ماننا لازمی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت پر مسلمانوں کا اجماع ہے، جب اس دن کا ماہ رمضان میں شامل ہونا معتبر لوگوں کی گواہی سے ثابت ہوگیا تو پھر اس دن کا روزہ تمام مسلمانوں کے لئے لازمی ہے، اس لئے بھی کہ ماہ رمضان دو چاندوں کے درمیان ہے، اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ فرض کی مدت، وقوع طلاق، غلام کی آزادی اور نذروں کے وجوب جیسے تمام احکام میں یہ دن رمضان کا ہی مانا جائے گا، تو پھر نص واجماع کے ذریعہ اس کا روزہ بھی فرض ہوگا، پھر عادل گواہ نے رویت ہلال کی گواہی دی ہے لہذا روزہ واجب ہوجائے گا''۔(۱)

معروف حنفی فقیہ عثمان بن علی زیلعی نے احناف کی رائے نقل کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: ''کسی ایک علاقہ میں رویت ثابت ہوجائے تو تمام لوگوں کے لئے مہینہ کا آغاز ہوجائے گا، اور ظاہر مسلک میں اہل مغرب کی رویت سے اہل مشرق پر لازم ہوجائے گا''۔(۲)

''الموسوعۃ الفقہیۃ'' میں سلف فقہا کی آرا نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: ''حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کی رائے ہے اور شوافع کا ایک قول بھی یہی ہے کہ: ''ماہ رمضان کے آغاز کو ثابت کرنے کے سلسلے میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے، اگر رمضان کا چاند کسی علاقہ میں نکل آئے تو پوری دنیا کے تمام مسلمانوں پر روزہ واجب ہوجائے گا، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

(۱) ابن قدامہ، المغنی، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ، طبع اول، ۴/۳۲۴

(۲) زیلعی، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، قاہرہ: دار الکتب الاسلامیۃ، ۱۳۱۳ھ، ۴/۶۰

ہے کہ ''چاند دیکھ کر روزہ رکھو'' اور یہ خطاب پوری امت کے لئے ہے''۔(۱)

لیکن قرافی، زیلعی اور ابن عابدین جیسے متاخر فقہانے اس رائے کو مسترد کردیا ہے، انہوں نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ یہ ہر جماعت کے لئے خاص ہے، اور ہر شہر کے باشندگان کی اپنی رویت ہے، انہوں نے متقدمین کی رائے کے خلاف حکم اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے برآمد کیا، الموسوعۃ الفقہیۃ کے مقالہ نگار نے امام قرافی کی بابت لکھا ہے کہ انہوں نے ''اختلاف مطالع کی علمی توضیح کی ہے، علم ہیئت میں مذکور اس کے اسباب میں سے صرف ایک ہی سبب کا تذکرہ انہوں نے کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ مشرقی علاقوں میں جب چاند سورج کی روشنی میں ہوتا ہے اور سورج چاند کے ساتھ چلتے ہوئے مغرب کی جانب جاتا ہے تو سورج مغربی افق میں اس وقت پہنچتا ہے جب چاند سورج کی شعاع سے باہر آتا ہے، اس طرح اہل مغرب اسے دیکھ لیتے ہیں اور اہل مشرق نہیں دیکھ پاتے ہیں''۔(۲)

قرافی کہتے ہیں:

''کسی ایک شہر میں چاند کی رویت کو مالکیہ نے پورے کرۂ ارضی میں روزہ کی فرضیت کا سبب بتایا ہے، اس سلسلہ مس حنابلہ بھی ان کے ہم رائے ہیں، شوافع کہتے ہیں کہ ہر علاقہ کے لوگوں کی الگ رویت ہے، تمام مسلمان اس پر متفق ہیں کہ ہر علاقہ کے لوگوں کے لئے صبح صادق، زوالِ آفتاب، اوقاتِ عصر، مغرب وعشا الگ الگ ہیں، جب ایک جگہ صبح صادق طلوع ہوتی ہے تو دوسرے لوگوں کے یہاں اس وقت شب کا آدھا حصہ باقی ہوتا ہے، کچھ لوگوں کے یہاں آدھا دن گزر چکا ہوتا ہے اور کچھ لوگوں کے یہاں غروبِ آفتاب ہورہا ہوتا ہے، ہر وقت مختلف علاقوں میں مختلف اوقات ہوتے ہیں، اقصائے مشرق میں جب سورج طلوع ہورہا ہوتا ہے اس وقت

(۱) الموسوعۃ الفقہیۃ، مطبوعہ وزارت اوقاف وامور اسلامی، تاریخ طباعت مذکور نہیں، ۳/۱۴۲، مادہ: اختلاف المطالع

(۲) حوالۂ بالا، ۱/۱۷



مغربی ممالک میں کہیں آدھی رات کا وقت ہوتا ہے، یا ابتدائی رات ہوتی ہے یا آخری رات ہوتی ہے، اسی طرح جب اقصائے مغرب میں سورج غورب ہوتا ہے تو مشرقی علاقہ میں کہیں آدھی شب گزر چکی ہوتی ہے، کہیں اس سے کم وقت ہوتا ہے اور کہیں زیادہ، یہی حال دیگر اوقات کی بابت بھی ہے''(۱)

پھر ایک اور مسئلہ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اسی طرح فقہی فتاوی میں ایک مسئلہ متعدد فقہا کے لئے موجبِ حیرت بنا ہے، مسئلہ یہ ہے کہ: دو بھائیوں کا انتقال عین زوال کے وقت ہوا، ایک کا کسی مشرق علاقہ میں اور دوسرے کا کسی مغربی علاقہ میں، ان میں سے کون سا بھائی دوسرے بھائی کا وارث ہوگا؟ اہل علم وفضل فقہانے فتویٰ دیا کہ مغربی مشرقی کا وارث ہوگا، اس لئے کہ مشرق میں زوال مغرب سے پہلے ہوتا ہے، یعنی مشرق کی وفات پہلے ہوئی ہے، لہذا دوسرا اس کا وارث ہوگا اس لئے کہ وہ اس کے بعد تک زندہ رہا ہے، یعنی چونکہ یہ بات طے ہے کہ علاقوں کے بدلنے سے اوقاتِ نماز بدلتے ہیں اور ہر علاقہ میں صبح صادق وزوال وغیرہ کے اوقات مختلف ہوتے ہیں اسی لئے مغربی مشرقی کا وارث ہوگا، یہ بات چاند کے سلسلے میں بھی لازم آتی ہے، اس لئے کہ چاند مشرقی علاقہ میں سورج کی روشنی میں ہوتا ہے، اور سورج چاند کے ساتھ چلتے ہوئے مغرب میں پہنچ کر غروب ہوجاتا ہے تو چاند سورج کی روشنی سے باہر نکل آتا ہے، اور اسے اہل مغرب دیکھ لیتے ہیں، لیکن اہل مشرق نہیں دیکھ پاتے ہیں، یہ رویت ہلال میں اختلاف کا ایک سبب ہے، علم ہیئت میں اس کے اور بھی اسباب بتائے جاتے ہیں، جن کا ذکر یہاں مناسب نہیں معلوم ہوتا، یہاں میں نے وہ امور ذکر کئے ہیں جن کا فہم آسان ہے''(۲)۔

(۱) قرافی، انوار البروق فی انواع الفروق، ۴/۱۴۲

(۲) حوالۂ بالا

امام قرافیؒ نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ الگ الگ علاقوں میں چاند کی رویت الگ الگ اوقات میں ہوتی ہے، اور یہ لازمی ہے کہ: ''ہر علاقہ کے لوگوں کی اپنی الگ رویت ہلال ہو، جیسے کہ ہر علاقہ کے لوگوں کے لئے صبح صادق اور دیگر نماز کے اوقات الگ الگ ہوتے ہیں، یہ بالکل بدیہی صحیح موقف ہے، ایک علاقہ کی رویت کی بنیاد پر تمام علاقوں میں روزوں کو فرض قرار دینا اصول شریعت کے خلاف ہے، اور دلائل بھی اس کی گنجائش نہیں دیتے ہیں''۔(۱)

عظیم شافعی فقیہ امام نوویؒ نے بھی یہ صراحت کی ہے کہ بہت سے اکابر علما اختلافِ مطالع کے قائل ہیں:

''اگر ایک شہر کے مسلمان رمضان کا چاند دیکھ لیں اور دوسرے شہروں کے مسلمان نہ دیکھیں تو ایسی صورت میں اگر یہ مختلف شہر قریب قریب ہیں تو ان کا حکم ایک شہر کا ہے، دوسرے شہر والوں کے لئے روزہ بلا اختلاف لازمی ہے، لیکن اگر یہ دونوں شہر دور دور ہوں تو دو اقوال پائے جاتے ہیں، جن میں سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ دوسرے شہر والوں پر روزہ لازم نہیں ہوتا ہے، یہی مصنف شیخ بندنیجی اور دیگر فقہا کی قطعی رائے ہے، عبدری، رافعی اور اکثر فقہا نے اسے ہی صحیح قرار دیا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ایسی صورت میں دوسرے علاقے والوں پر بھی روزہ فرض ہوجائے گا، اسے قاضی ابوطیب، دارمی، ابوعلی سنجی وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔(۲)

امام نوویؒ نے ابن منذر، عکرمہ، قاسم، سالم اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ: ''رویت سے صرف اسی شہر کے لئے روزہ لازم ہوتا ہے، جہاں رویت ہوتی ہے''۔(۳)

(۱) حوالۂ بالا

(۲) نووی، محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف الدین، المجموع شرح المہذب، مطبوعہ المطبعۃ المنیریۃ، قاہرہ، تاریخ طباعت مذکور نہیں، ۶/ ۲۷۳

(۳) حوالۂ بالا



مشہور حنفی فقیہ زیلعی نے بھی اختلاف مطالع کے اعتبار کی یہی رائے اختیار کی ہے:

''زیادہ بہتر یہ رائے ہے کہ ہر قوم اپنے یہاں (کی رویت) کی مخاطب ہے، اور الگ الگ علاقوں میں چاند کی سورج کی شعاع سے دوری الگ الگ ہوتی ہے، بالکل اسی طرح جس طرح الگ الگ علاقوں میں نماز کے اوقات میں فرق پایا جاتا ہے۔(۱)

ابن عابدین لکھتے ہیں:

''اختلافِ مطالع کی بابت کوئی اختلاف نہیں ہے، یعنی بسا اوقات دو شہروں میں اتنی دوری ہوتی ہے کہ ایک شہر میں جس دن چاند نکلتا ہے دوسرے شہر میں نہیں نکلتا، اسی طرح ان کے درمیان سورج کے طلوع میں بھی فرق ہوتا ہے، اس لئے کہ سورج کی شعاع سے چاند کی دوری الگ الگ علاقوں میں مختلف ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ مشرق میں زوال شمس مغرب کی بنسبت بہت بعد میں ہوتا ہے، یہی معاملہ طلوع صبح صادق وغروبِ آفتاب کا بھی ہے، سورج جیسے جیسے آگے بڑھتا جاتا ہے کچھ علاقوں میں طلوع ہوتا جاتا ہے، کچھ جگہ صبح صادق ہوتی ہے اور کچھ جگہ وہ غروب ہورہا ہوتا ہے اور کچھ جگہوں پر آدھی رات ہورہی ہوتی ہے، جیسا کہ زیلعی نے لکھا ہے''۔(۲)

انہوں نے یہ بھی لکھا ہے:

معروف فقیہ صاحبِ المختصر ابوموسیٰ ضریر کی بابت مروی ہے کہ وہ اسکندریہ تشریف لائے تو ان سے دریافت کیا گیا کہ اگر کوئی شخص اسکندریہ کے منارہ پر چڑھا اور اسے شہر میں غروب آفتاب کے بعد سورج نظر آتا رہا تو کیا اس کے لئے روزہ افطار کرنے کی اجازت ہوگی، آپ نے فرمایا نہیں، لیکن شہر والوں کے لئے ہوگی، اس لئے کہ ہر شخص اپنے حالات کا مخاطب

(۱) زیلعی، تبیین الحقائق، ۴/ ۸۷

(۲) ابن عابدین، محمد امین بن عمر، ردالمحتار علی الدر المختار، ۷/ ۳۸۷

ہے،اوراعتبارمطالع کی دلیل حضرت کریب سے مروی حدیث ہے‘‘۔(۱)

حضرت کریب کی مروی یہ حدیث امام مسلم نے درج کی ہے،اس میں ہے کہ:’’ام فضل نے ان کوحضرت معاویہؓ کی خدمت میں شام بھیجا،ان کا بیان ہے کہ میں شام آیا،ان کا کام کیا،شام ہی میں میں تھا کہ رمضان کا چاند ہوگیا،جمعرات کو مجھے وہاں چاند دکھا،پھر میں رمضان کے آخرایام میں مدینہ آیا،مجھ سے حضرت ابن عباسؓ نے دریافت فرمایا کہ چاند کب دکھا؟ میں نے عرض کیا جمعرات کو،فرمایا کیاتم نے خود دیکھا تھا،عرض کیا جی ہاں!لوگوں نے بھی دیکھا،اور اسی لئے وہاں کے لوگوں نے بشمول حضرت معاویہؓ(جمعہ کو) روزہ رکھا،حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا،لیکن ہم نے توسنیچر کی شب کو دیکھا،میں نے عرض کیا: کیا آپ کے لئے حضرت معاویہؓ کی رویت کافی نہیں ہے؟فرمایانہیں:ہمیں رسول اللہ ﷺ نے یہی حکم دیا ہے‘‘۔(۲)

مولانا شمس الحق عظیم آبادی نے مذکورہ بالا روایت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ الگ الگ علاقوں کے الگ الگ مطالع ہوتے ہیں:’’اس حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اہل شام کی رویت پرعمل نہیں کیا،اورروایت کے آخر میں یوں فرمایا کہ:ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا ہے،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں رسول اکرمؐ کی جانب سے یہ بات معلوم تھی کہ کسی علاقہ کی رویت پرعمل دوسرے علاقہ والوں کے لئے ضروری نہیں‘‘۔(۳)

امام ابن العربی کے نزدیک بھی یہ حدیث اختلاف مطالع پر دلالت کرتی ہے:

’’ابن عباس کے اس قول کے مطلب کی بابت اختلاف ہے،بعض حضرات کے نزدیک انہوں نے خبر واحد ہونے کی وجہ سے اسے قبول نہیں کیا تھا،کچھ اورلوگوں کا کہنا ہے کہ

(۱) حوالۂ بالا

(۲) مسلم،صحیح مسلم،۵/۳۶۷

(۳) عظیم آبادی،محمدشمس الحق،عون المعبودشرح سنن ابی داود،مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ،۶/۴۵۳



انہوں نے اس لئے قبول نہیں کیا تھا کہ مختلف علاقوں کے مطالع مختلف ہوتے ہیں،یہی بات صحیح ہے،اس لئے کہ حضرت کریب نے گواہی نہیں دی تھی،بلکہ ایک ایسے فیصلہ کی خبردی تھی جوگواہی کی بنیاد پر دیا جاچکا تھا،اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ گواہی کے ذریعہ ثابت حکم کے لئے خبر واحد کافی ہے،اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر شہراغمات میں جمعہ کی رات کو چاند نکل آیا،لیکن اشبیلیہ میں سنیچر کو نکلاتو دونوں شہروں کی الگ الگ رویت کا اعتبار ہوگا،اس لئے کہ سہیل اغیات سے نظر آتا ہے،لیکن اشبیلیہ سے نظر نہیں آتا ہے،یہ اختلاف مطالع پر دلالت کرتا ہے‘‘۔(۱)

امام شوکانیؒ نے اختلافِ مطالع کے معتبر نہ ہونے پر اسی روایت سے استدلال کیا ہے،فرماتے ہیں:

’’خیال رہے کہ روایت ابن عباس میں حجت اس کا مرفوع حصہ ہے،نہ کہ ان کا وہ اجتہاد جس کو انہوں نے اس جملہ سے تعبیر کیا ہے:’’ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی حکم دیا ہے‘‘،لہٰذا ہم اسی اعتبار سے روزے مکمل کریں گے،آں حضرتؐ کا حکم تو وہ ہے جو شیخین اور دیگر محدثین نے نقل کیا ہے:’’چاند دیکھے بغیر روزوں کا آغاز نہ کرو،اور چاند دیکھے بغیر روزوں کا اختتام نہ کرو،اگر(انتیسویں کو) مطلع ابر آلود ہوتوتیس کا عدد مکمل کرو‘‘۔یہ حکم کسی ایک علاقہ کے لئے خاص نہیں ہے،بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے،لہٰذا اس سے ایک مقام کی رویت کے تمام مسلمانوں کے لئے معتبر ہونے کا استدلال اس کے مخالف استدلال سے زیادہ ظاہر ہے،اس لئے کہ ایک علاقہ کے لوگوں کی رویت کا مطلب تمام مسلمانوں کی رویت ہے۔لہٰذا دوسرے علاقوں کے مسلمانوں کے لئے بھی وہی لازم ہوگا جواس علاقہ کے مسلمانوں کے لئے لازم ہوگا۔(۲)

حاصل کلام یہ ہے کہ امام احمداور بہت سے احناف،مالکیہ اورشوافع علماءسلف کے نزدیک

(۱) ابن العربی،ابوبکر قاضی محمد بن عبداللہ،احکام القرآن،بیروت،دارالکتب العلمیۃ،۱/۱۵۷

(۲) شوکانی،نیل الاوطار،تحقیق علی معوض وعادل عبدالموجود،دمشق،دارالکتاب العربی،۲۰۰۲ء،۷/۲۵

تمام مسلمانوں پر رمضان کے روزوں کے وجوب کا شرعی سبب رویت ہلال ہے، ان علما نے یہ نتیجہ ان احادیث سے نکالا ہے جن میں یہ کہا گیا ہے کہ: "چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر روزوں کا اختتام کرو"، ان علما کے نزدیک روزہ کی فرضیت کا جو شرعی سبب سمجھا جاتا تھا اسے ان کے حلقوں کے متاخرین نے سبب نہیں مانا ہے، بلکہ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے انہوں نے ہر شہر کی رویت الگ مانی ہے، یعنی علمائے متاخرین نے اپنے فقہی مکاتب کی آرا سے مختلف رائے اختیار کی ہے، اب ہمارے لئے غور وفکر کا ایک موضوع یہ ہے کہ ان دونوں آرا میں صحیح رائے کون سی ہے، اور ان اقوال واجتہادات میں سے صحیح قول واجتہاد کون سا ہے؟ کس رائے کے حاملین نے مقصد نبوی کے مطابق رائے اختیار کی ہے؟ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک رائے صحیح ہے اور آپ ؐ کی حقیقی منشا کے مطابق ہے، تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسری رائے کے حاملین نے غلط روزے رکھے ہیں اور غلط دونوں میں عیدیں منائی ہیں؟ اور اگر آپ ؐ کو ان میں سے کوئی ایک رائے ہی مقصود تھی تو آپ ؐ نے اس کو ایسے قطعی اور واضح الفاظ میں کیوں نہیں ظاہر فرمایا کہ اس کے بعد مسلمان غلطی کا شکار نہ ہوں؟ کسی بھی مسلمان کے ذہن میں ایسے متعدد سوالات اٹھتے ہیں، کسی کی زبان پر آجاتے ہیں اور کوئی جھجھک جاتا ہے، لیکن ان تمام سوالات کا جواب ایک ہی ہے، اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی بابت قرآن مجید نے یہ فرمایا ہے کہ وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے ہیں بلکہ جو بھی بولتے ہیں وحی کی روشنی میں ہی بولتے ہیں: "ماینطق عن الهوى ان هو الا وحى يوحى" آپ ؐ نے ایسے الفاظ استعمال فرمائے جن کی تشریح مختلف طریقوں سے کی جاسکتی تھی، ایسا مسلمانوں کے اندر اختلافات پیدا کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس لئے فرمایا تا کہ ہر زمانہ کے لوگ اپنے زمانہ کے مطابق فہم حاصل کرسکیں اور اپنے زمانہ سے ہم آہنگ رائے اختیار کرسکیں، جب ہم ان احادیث پر غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ مقاصد سے متعلق آپ ؐ کے الفاظ واضح ثابت وقطعی ہیں، جب کہ ان وسائل سے متعلق وہ الفاظ جن کے ذریعہ مقاصد تک رسائی ہوتی ہے وہ زمانہ، علاقہ وحالات کی



تبدیلی کی روشنی میں مختلف تشریحات کے متحمل ہیں، اور چونکہ آپ کی نبوت وشریعت عالمگیر ودائمی ہے اس لئے آپ کی شریعت کے مقاصد ہر زمانہ وعلاقہ کے لئے نا قابل تغیر ہیں، لیکن ان کے حصول کے طریقے زمانہ، علاقہ اور حالات سے متاثر ہو سکتے ہیں۔

جہاں تک آپ ؐ کے ارشاد " نحن أمة امية لا نكتبُ ولا نحسب "(ہم امی امت ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب جانتے ہیں) کا تعلق ہے تو یہ اس وقت کی امت کی حالت کا بیان ہے، اُس میں آپ ؐ نے یہ حکم نہیں دیا ہے کہ امت کو اسی حال پر باقی رکھا جائے، اگر ایسا ہوتا تو پھر اس حدیث کی بنا پر ہم تحریر کی حرمت کے بھی قائل ہوتے، لیکن چونکہ لکھنے اور علم حال کرنے کا حکم ہمارے دین نے دیا ہے، اور چونکہ بہت سے مسلمان لکھتے ہیں اور چونکہ اس حدیث کے باوجود ہم نے تحریر کو حرام قرار نہیں دیا ہے، اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس حدیث کے باوجود حساب حرام نہیں ہے بلکہ اس کا تو ہمیں قرآن میں حکم دیا گیا ہے: "لتعلموا عدد السنين والحساب" (تا کہ تم برسوں کی تعداد اور (ایام ومہینوں کا) حساب جان سکو)۔

فلکی حسابات کی بابت یہ کہنا کہ ان کے اعتبار سے مسلمانوں کو مشقت و پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا، ماضی میں تو صحیح تھا لیکن یہ حسابات اب مسلمانوں کے لئے آسان ہو گئے ہیں، اب تو مشقت ان حسابات کو نہ قبول کرنے اور رویت ہونے نہ ہونے کے علم کے لئے دیر رات تک انتظار کرنے میں ہے، خاص طور پر مغرب کے مسلمان تو یکم رمضان یا عید کے دن کی اطلاع بالترتیب ۲۹ رشعبان یا ۲۹ ررمضان کو دیر رات میں ہی حاصل کر پاتے ہیں، مغرب میں مسلمانوں کی تعداد کم نہیں ہے بسا اوقات انہیں نصف شب کے بھی بعد معتبر چاند کمیٹیوں اور اسلامی تنظیموں سے اطلاع ملتی ہے، جس کی وجہ سے وہ اگلے دن کی چھٹی نہیں لے پاتے ہیں کہ وہ دن وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ گزار سکیں، اگلی نسل میں اسلامی روح کی آبیاری، انہیں دین وشعائر سے واقف کرانے، عید کے مخصوص شرعی ایام سے ان کو وابستہ کرنے اور رمضان وعید کی دینی اہمیت سے واقف کرانے کے لئے

یہ بات بہت ضروری ہے کہ انسان یہ دن اپنے گھر والوں کے ساتھ گزارے، اور انہیں مسلمانوں کے اتحاد اور ان کے ایک ساتھ جمع ہونے کی اہمیت بتائے، رمضان وعید کی بابت پہلے سے معلوم نہ ہونے کی بنا پر لوگ پہلے سے چھٹی نہیں لے پاتے ہیں۔ اور غیر مسلم منیجروں، کام کے ساتھیوں یا ہم جماعتوں کو اسلام ومسلمانوں کا مذاق اڑانے کا ایک موقعہ ملتا ہے کہ ان کے یہاں ابھی تک ماضی قدیم کے طریقے چلے آرہے ہیں، جب کہ اب اس سلسلہ میں نہایت دقیق علمی طریقے موجود ہیں، اور خود مسلمان بھی ان پر اپنی سب سے اہم قیمتی عبادت نماز میں اعتبار کرتے ہیں۔

مسلمانوں کا اتحاد بھی بہت اہم معاملہ ہے، عیدین تک میں مسلمانوں میں اختلاف وانتشار کا پایا جانا نہایت افسوس ناک اور رسوا کن معاملہ ہے، بالخصوص مغرب میں آباد مسلمانوں کے لئے یہ امر کتنا تکلیف دہ اور پریشان کن ہے کہ ان کے بچے انہیں (جنہیں وہ اپنے لئے نمونہ سمجھتے ہیں) ہر معاملہ میں باہم اختلاف وانتشار کا شکار دیکھیں، وہ دیکھیں کہ مغرب کے ایک ہی شہر میں مسجدیں الگ الگ دن رمضان کا آغاز کرتی اور عید مناتی ہیں، ایک مسجد اختلاف مطالع کا اعتبار کرتی ہیں، دوسری اتحاد مطالع کی قائل ہے، کوئی سعودیہ کی رویت کا اعتبار کرتا ہے تو کوئی اپنے وطن کے ساتھ عید کرتا ہے، ہر مسجد کے لوگ دوسری مسجد کے لوگوں پر تنقید کرتے اور اپنے آپ کو ہی حق پر گامزن سمجھتے ہیں، مغرب میں ہمارے بچے مسلمانوں کی اس حالت سے کبیدگی لئے بڑے ہو رہے ہیں، وہ دیکھتے ہیں کہ چند میل کے فاصلے پر قائم مسجدیں رمضان وعید کے سلسلے میں جدا جدا راہ رکھتی ہیں، مسلمانوں میں اتحاد عصر حاضر میں سب سے زیادہ ترجیح کی بات ہے، قرآن وحدیث نے ہم کو بتایا ہے کہ سب سے اہم بات پر عمل سب سے پہلے کرنا چاہئے، اور جب کوئی کام یا ہدف عظیم ہو تو اس کے حصول کے لئے سب کچھ کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ اس میں کسی حرام کا ارتکاب یا کسی واجب کا ترک لازم نہ آئے، ابتدائے اسلام میں سب سے بڑا مسئلہ توحید کا تھا، اور گرسب نہیں تو اکثر عبادات (باوجود اپنی اہمیت کے) اس وقت فرض نہیں کی گئیں، اس وقت تمام آیات واحادیث



کا موضوع عقیدۂ توحید وآخرت اور کفر کرنے پر ماضی کی امتوں کے انجام کا بیان ہی تھا، نیز مسلمانوں کی ثابت قدمی کو یقینی بنانے کی کوشش کی جاتی تھی اور ایسی باتیں کہی جاتی تھیں جن سے انہیں اپنے اہل حق اور انجام کار فلاح یاب ہونے کا اطمینان ہو، عہد رسالت کے آغاز اور ملکی عہد کی تمام آیات کی تلاوت کریے، اور اس زمانہ کی احادیث پر نگاہ ڈالئے تو آپ دیکھیں گے کہ ان سب کا موضوع توحید، صبر واستقامت، جنت وجہنم اور مسلمانوں کی ثابت قدمی ہی ہیں، لیکن جب مدنی عہد میں اللہ کی عنایت سے پہلا اسلامی معاشرہ وجود میں آگیا تو مسلمانوں کے حالات کو منظّم کرنے اور گردوپیش کے تمام حالات وامور سے ان کے تعلق کی نوعیت کی تعیین کی ضرورت پیش آئی، مثلاً یہ کہ ان کا تعلق اپنے خالق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ کیسا ہو؟ اس کے پیش نظر عبادات کی آیات واحادیث سامنے آئیں، ان کا تعلق ان کے اہل خانہ کے ساتھ، باہم ایک دوسرے کے ساتھ، اپنے دشمنوں کے ساتھ، غیر مسلموں میں سے آمادۂ جنگ اور صلح پسندوں کے ساتھ کیسا ہو؟ اس سلسلہ کی آیات واحادیث کی تطبیق ہم کرتے ہیں تو بلاشک اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی سب سے بڑی ترجیح ان کے اتحاد کو حاصل ہونا چاہئے، یہ ان کی اہم ترین ذمہ داری بھی ہے اور بذات خود ایک فریضہ بھی، مسلمانوں کے موجودہ حالات میں جب وہ پے در پے شکستوں کے شکار ہوتے جارہے ہیں ہر صاحبِ عقل کے نزیک مسلمانوں کے درمیان اتحاد قائم کرنا، اس کی فکر کرنا، اور اس کے لئے ہر ممکن کوشش کرنا لازمی ہے، اس لئے کہ اتحاد ہی سے مسلمانوں کو طاقت ورعب حاصل ہوسکتا ہے، نیز ان کی عزتوں کو پامال کرنے والوں کو روکا جاسکتا ہے، مسلمانوں کے اتحاد کا ہر مظہر مسلمانوں کی مدد ہے، اگر روزہ اور عید کو پانچ بلین مسلمان ایک ساتھ ادا کریں تو پھر اس سے اتحاد کا کیسا مظاہرہ ہوگا؟ اگر فلکی حسابات کے اعتبار کا فائدہ صرف مسلمانوں کے اتحاد کا مظاہرہ ہی ہوتا تو یہی ایک سبب اس کے اعتبار کا بالکل کافی ہوتا۔

پیچھے ہم نے بعض حضرات کے اس دعوے اور دلیل کا تذکرہ کیا تھا کہ فلکی حسابات کا

اتباع مسلمانوں کے لئے مشکل ہے، اس کے جواب میں ہمارا کہنا یہ ہے کہ ماضی میں رابطہ کے ذرائع بہت سست رفتار تھے، اوراس لئے شہروں کے مابین خبررسانی میں بہت وقت لگتا تھا، اور یہ علم بہت کم لوگوں کو حاصل تھا، جب کہ اب صورتِ حال مختلف ہے، بیسویں صدی کے آخر میں رابطہ کے وسائل کے سلسلے میں جو انقلاب سامنے آیا اس نے دنیا کو ایک ایسی چھوٹی سی بستی میں تبدیل کردیا ہے جس میں خبررسانی اس قدر آسان ہوگئی ہے کہ اس کے بیان کے لئے آسان کا لفظ بھی بہت ناکافی ہے، اب انسان اپنے مقام پر بیٹھا ہوا زمین کے کسی بھی حصہ میں ہونے والے واقعات کو اسی وقت براہ راست دیکھ اور سن سکتا ہے، اس لئے اب خبررسانی نہایت سہل ہے، اور اس میں اب کوئی مشکل نہیں بچی ہے، اسی طرح دنیا کے کسی بھی حصہ میں آباد کوئی بھی انسان اب سائنسی وفلکیاتی اداروں اور یونیوسٹیز کی ویب سائٹس کھول کر یقینی طور پر یہ معلوم کرسکتا ہے کہ چاند کی پیدائش کب ہوگی، روزوں کا آغاز کب ہوگا؟۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ'' (اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے، اور تمہارے لئے سختی نہیں چاہتا ہے)، يُرِيدُ اللّٰهُ ان يخفف عنكم وَ خُلِقَ الانسانُ ضَعيفاً'' (اللہ تمہارے لئے آسانی پیدا کرنا چاہتا ہے اور انسان کو ضعیف پیدا کیا گیا ہے)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''خوشخبری سناؤ، دور نہ کرو، آسانیاں پیدا کرو، سختیاں نہ کرو،'' تیسیر (آسانیاں پیدا کرنا) دین کا ایک بڑا اصول ہے، تیسیر، مسلمانوں سے حرج کا ازالہ، بندوں کے مصالح کی رعایت، اور تمام امت کی اجتماعی مصلحت کی رعایت جیسے فقہی اصول وقواعد کا تقاضہ ہے کہ علما وفقہائے امت اس مسئلہ پر گہرا غور وفکر کریں، مسائل کو ان کے صحیح تناظر میں دیکھیں تاکہ امت کو رمضان کے آغاز اور عید کی تعیین جیسے اہم تعبدی امور میں غیر محمود اختلاف نیز حرج ومشقت سے بچائیں، اسی سلسلے میں اپنے حصہ کا کام کرتے ہوئے اس کتاب میں ہم ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ قرآن وسنت نے مسلمانوں سے آنکھ کی رویت کا مطالبہ آغازِ



ماہِ رمضان کے اکیلے اور فی نفسہ مطلوب وفرض طریقے پر نہیں کیا ہے، ہم یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ فلکی حسابات پر اعتماد نہ حرام ہے، اور نہ قرآن، حدیث یا اجماع کے مخالف، بلکہ وہ رمضان کے آغاز ہونے یا نہ ہونے کو ثابت کرنے کے سلسلے میں زیادہ بہتر، دقیق اور آسان ہے، جیسا کہ شیخ احمد شاکر کا کہنا ہے کہ فلکی حسابات کا استعمال سب سے بہتر اور اس مسئلہ سے متعلق احادیث سے قریب تر رائے ہے، المجلس الفقهي الاوروبی اور المجلس الفقهي لشمالي أمير يكا کی رائے یہ ہے کہ چاند کی پیدائش پوری دنیا میں بیک وقت ہونے والا ایک متعین امر ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: '' الشمس والقمر بحسبان'' (سورج اور چاند ایک طے شدہ حساب کے مطابق گردش میں ہیں)، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''هو الذي جعل الشمس ضياءً والقمر نوراً وقدره منازل لتعلموا عدد السنين'' (وہ وہی ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو نور بنایا، اور اس کی منزلوں کی تعیین کی تاکہ تم برسوں کا حساب جان سکو)، مذکورہ بالا فقہی اداروں نے یہ طے کیا ہے کہ غروبِ آفتاب کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی افق میں چاند کی موجودگی سے پوری دنیا میں رمضان کے مہینہ کا آغاز ہوجاتا ہے۔

یہ فتویٰ (بتوفیق خداوندی) بہت سے مسلمانوں سے حرج کو رفع کرے گا، ان کے لئے ان کے دینی ودنیوی امور کو آسان کرے گا، اور جب مسلمان اس پر عمل کریں گے تو بہت سے مسلمانوں سے حرج کو دور کرے گا، نیز عبادت کے آغاز واختتام کے وقت یقین کا سبب ہوگا۔

اگلے صفحات میں ہم اس مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ غور وفکر کریں گے اور مہینہ کے آغاز کے اثبات کے لئے فلکی حسابات کے استعمال کو معتبر اور غیر معتبر قرار دینے والے دونوں فریقوں کے دلائل پیش کرکے ان کی آرا کا تجزیہ بھی کریں گے، اس سلسلے کی احادیث کا تفصیلی مطالعہ کریں گے، ان سے حسبِ توفیق خداوندی استنباط کریں گے، اس لئے کہ کتاب اللہ اور احادیثِ نبویہ کبھی نہ ختم ہونے والے خزانوں سے بھرے ہوئے ہیں، ہر غوطہ زن لولو وجواہر نکال کرکے لاسکتا ہے۔

# باب اوّل

## جمہور فقہا کے دلائل اوران کا تجزیہ

### جمہور کی راجح رائے:

تمام فقہی حلقوں کے جمہوری علما کے نزدیک راجح رائے یہی ہے کہ ماہ رمضان کے آغاز کی تعیین کے سلسلے میں فلکی حسابات کا اعتبار ناجائز ہے، اس لئے کہ (ان حضرات کے نزدیک) فلکی حسابات صرف اندازوں اور مفروضوں کی بنیاد پر ہوتے ہیں، لہذا اسلام کی بنیادی عبادت (مثلاً آغاز واختتام رمضان کی تعیین) کے سلسلے میں ان پر اعتماد نا قابل قبول ہے۔

رمضان وذی الحجہ جیسے اسلامی عبادات کے دن رکھنے والے مہینوں کی تعیین اس رائے کی بنیاد پر صرف دو ہی طریقوں سے ہوسکتی ہے: آنکھ کی رویت یا مہینہ کے تیس دنوں کی تکمیل۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''شھر رمضان الذی انزل فیه القرآن ھدی للناس وبینات من الھدیٰ والفرقان فمن شھد منکم الشھر فلیصمه، ومن کان مریضاً اوعلیٰ سفر فعدة من ایام اخر یریدالله بکم الیسر ولایرید بکم العسر ولتکملوا العدة ولتکبروالله علیٰ ماھداکم ولعلکم تشکرون'' (بقرہ:۱۸۵) (رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، جولوگوں کے لئے سراپا ہدایت اور ایسی روشن نشانیوں کا حامل ہے جوصحیح راستہ دکھاتی اور حق وباطل کے درمیان دوٹوک فیصلہ کر دیتی ہیں، لہذا تم میں سے جوشخص بھی یہ مہینہ پائے وہ اس میں ضرور روزہ رکھے، اور اگر کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہوتو وہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کرلے، گنتی پوری کرلواور اللہ نے جوتمہیں راہ دکھائی ہے



اس پر اللہ کی تکبیر کہو، اور تاکہ تم شکر گزار بنو)۔

ارشاد باری تعالیٰ: ''فمن شھد منکم الشھر فلیصمه'' (لہذا تم میں سے جوشخص بھی یہ مہینہ پائے وہ اس میں ضروری روزہ رکھے) میں ''شھد'' (مہینہ پانے) کے معنیٰ بعض حضرات نے آنکھ کی رویت بتائے ہیں، ان حضرات کی رائے ہے کہ ماہ رمضان کے روزوں کے وجوب کا شرعی سبب آنکھ کی رویت ہی ہے، جیسے کہ قرافی نے لکھا ہے: ''شارع نے شعاع سے چاند کے نکلنے کو روزہ کا سبب قرار نہیں دیا ہے، بلکہ سورج کی شعاع سے نکلتے ہوئے چاند کی رویت کو سبب مانا ہے، رویت نہ ہوتو سبب شرعی بھی حاصل نہیں ہوگا، لہذا الحکم بھی ثابت نہیں ہوگا''۔(۱)

اگلی سطروں میں ہم دیکھیں گے کہ اس موضوع سے متعلق صحیح احادیث کی تشریح بھی اسی طرح کی گئی ہے:

محمد بن زیاد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا، یا یہ کہا کہ میں نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: ''چاند دیکھ کر روزوں کا آغاز کرو اور چاند دیکھ کر روزے چھوڑ دو، اگر (انتیسویں کو) مطلع ابر آلود ہوتو شعبان تیس دن کا مان لو'' (۲)۔

محمد بن زیاد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ'' چاند دیکھ کر روزے شروع کرو اور چاند دیکھ کر ختم کرو، اگر مہینہ تمہارے لئے پوشیدہ ہوجائے تو تیس دن مکمل کرو'' (۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کا

(۱) قرافی، انوار البروق، ۴/۱۳۹
(۲) صحیح بخاری، تحقیق: محمد زہیر بن ناصر الناصر، بیروت، دارطوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ، طبع اول، ۶/۴۸۱
(۳) صحیح مسلم، ۶/۴۸۱

تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ''چاند دیکھ کر ہی روزوں (رمضان) کا آغاز کرو، اور چاند دیکھ کر ہی روزوں (رمضان) کا اختتام کرو، اگر (انتیس کو) مطلع ابر آلود ہو تو مہینہ (تیس دن کا) مکمل کرو''۔(۱)

مشہور حنفی فقیہ ابوبکر جصاصؒ لکھتے ہیں:

''آں حضرتؐ کا ارشاد: چاند دیکھ کر روزوں کا آغاز کرو' اس آیتِ قرآنی کے ہم معنیٰ ہے: ''یسئلونک عن الأهلة قل هي مواقيت للناس والحج'' (لوگ آپ سے پہلی تاریخ کے چاندوں کے بابت پوچھتے ہیں، کہہ دیجئے کہ یہ لوگوں کے لئے وقتوں (مہینوں) اور حج کی علامت ہیں، اس آیت اور اس حدیث کے معنی کے سلسلے میں مسلمانوں کا یہ اتفاق ہے کہ ان سے رمضان کے مہینے کے وجوب کے سلسلے میں چاند کی رویت کا اعتبار مراد ہے، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ رویتِ ہلال ہی ''شهود الشهر'' (مہینہ پانا) ہے''۔(۲)

یعنی ان کے نزدیک ماہِ رمضان کے آغاز کے لئے حدیث میں صرف ایک ہی طریقہ بتایا گیا ہے اور وہ ہے آنکھ کی رویت، اگر مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے آنکھ کی رویت ممکن نہ ہو، یعنی انتیس شعبان کو آنکھ سے چاند دکھنا مشکل ہو جائے تو ایسی صورت میں ماہ رمضان کے آغاز کی تعیین کی ایک ہی صورت بطور متبادل رہ جاتی ہے اور وہ ہے ماہ شعبان کو تیس دن کا ماننا، جصاصؒ کے نزدیک ماہ رمضان کے آغاز کے ثابت ہونے کا یہی عام قاعدہ ہے۔

جصاصؒ مزید لکھتے ہیں:

''حدیث نبوی ''چاند دیکھ کر (رمضان کے) روزوں کا آغاز کرو، اور چاند دیکھ کر (رمضان کے) روزے ختم کرو، اور اگر (انتیس تاریخ کو) مطلع ابر آلود ہو تو مہینہ تیس کا مانو'' مہینہ کو تیس دن کا ماننے کے سلسلہ میں اصل ہے، الا یہ کہ تیس سے پہلے چاند نظر آ جائے، جس مہینہ میں

(۱) صحیح بخاری: ۶/۴۸۱

(۲) جصاص، احکام القرآن، تحقیق: محمد علی شاہین، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱/۴۹۸



بھی انتیس کو چاند نہ دکھ سکے اس کو تیس دن کا ماننا ہم پر لازم ہے، جن مہینوں سے بھی احکام متعلق ہیں یہ بات ان تمام مہینوں سے متعلق ہے، تیس سے کم (یعنی انتیس) کا مہینہ صرف رویت ہلال کے ذریعہ ہی مانا جا سکتا ہے''۔(۱)

جصاصؒ کی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ انتیس تاریخ کو نئے مہینے کا چاند نظر نہ آنے کی صورت میں عام قاعدہ مہینہ کو تیس دن کا ماننا ہی ہے، یعنی جس مہینہ کی بھی انتیس تاریخ کو چاند نظر نہ آئے اس کو تیس دن کا ماننا ہم پر واجب ہے، شرعی عبادات سے مربوط تمام مہینوں پر یہ قاعدہ منطبق ہوتا ہے، چاند کی آنکھ سے رویت ہی مہینہ کو تیس دن سے کم کا بناتی ہے، جصاص نے یہ بھی لکھا ہے کہ آغاز و اختتامِ رمضان کی تعیین کے سلسلے میں فلکی حسابات کے غیر معتبر ہونے پر علماءِ اسلام کا اجماع ہے۔

''چاند کی منازل اور ماہرین نجوم کے حسابات کے اعتبار کا قول شرعی اعتبار سے بالکل غلط ہے، اس سلسلے میں اجتہاد کی گنجائش ہی نہیں ہے، اس لئے کہ کتاب وسنت اور اجماع فقہاء اس کے خلاف دلیل ہے''۔(۲)

علامہ بدرالدین عینی تحریر فرماتے ہیں:

''رمضان کا آغاز صرف عام رویت، قابل اعتبار گواہی یا شعبان کے تیس دن مکمل ہونے سے ہی ہو سکتا ہے، حجاز، عراق، شام ومغرب کے جمہور فقہا کی یہی رائے ہے، امام مالکؒ، امام شافعیؒ امام اوزاعیؒ، امام ثوریؒ، امام ابوحنیفہؒ، ان کے شاگروں اور اکثر محدثین اسی رائے کے ہیں''۔(۳)

ماہِ رمضان کے آغاز کی تعیین کے لئے آنکھ کی رویت کو وسیلہ قرار دینا ایامِ عبادت کے آغاز کی قطعیت کے لئے ہے، جیسا کہ ابن العربی نے لکھا ہے:

(۱) حوالۂ بالا: ۱/۵۰۰

(۲) حوالۂ بالا

(۳) عینی، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، بیروت، دار الفکر، ۱۰/۲۶۵

''ارشادِ نبوی ہے: ''چاند دیکھ کر (رمضان کے ) روزوں کا آغاز کرو، اور چاند دیکھ کر (رمضان کے ) روزے رکھنا ختم کرو، اگر (انتیسویں شب کو) چاند کا معاملہ پوشیدہ رہ جائے تو شعبان تیس دن کا مکمل کرو''۔اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے اوپر یہ فرض کیا ہے کہ اگر چاند نظر نہ آئے تو شعبان کو تیس دن کا مانا جائے گا، اور اگر شوال کا چاند (۲۹ رمضان کو) نہ دکھ سکے تو رمضان کو تیس دن کا کیا جائے گا، تا کہ عبادت کا آغاز و اختتام یقین کے ساتھ ہو، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بہت صراحت کے ساتھ فرمائی ہے، ارشاد فرمایا ہے: ''جب تک چاند نہ دیکھ لو روزوں کا آغاز نہ کرو، اور جب تک چاند نہ دیکھ لو روزے رکھنے کا سلسلہ نہ روکو''، امام ترمذیؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رمضان کے لئے شعبان کے چاند کا اہتمام کرو''۔تیسرا مسئلہ: آیت قرآنی ''فمن شهد منكم الشهر'' (تو تم میں سے جو شخص مہینہ کو پائے ) اس سے مراد مہینہ کا مشاہدہ یعنی چاند کی رویت ہے، بعض متقدم علماء کی یہ رائے غلط ہے کہ چاند کی منزلوں کے حساب پر اعتماد کیا جائے، یعنی اگر حساب یہ کہتا ہو کہ مطلع ابر آلود نہ ہوتا تو چاند نظر آتا تو ایسی صورت میں اس حساب کا اعتبار کیا جائے گا، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''فان غم عليكم فاقدروا له''، محققین کے نزدیک اس کا مطلب ہے کہ اگر مطلع ابر آلود ہو تو مقدار مکمل کرو، اسی لئے ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اگر مطلع ابر آلود ہو تو شعبان کی مدت تیس دن مکمل کرو''۔

ایک اور روایت میں ہے کہ: ''اگر مطلع ابر آلود ہو تو تیس روزے مکمل کرو اور پھر عید الفطر کرو''، یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے، ہمارے بعض علما نے امام شافعیؒ کی جانب غلط طور پر یہ بات منسوب کر دی ہے کہ وہ حساب کے اعتبار کے قائل تھے، اور یہ نسبت ایک نہایت سنگین غلطی ہے''۔(۱)

(۱) (ابن العربی، احکام القرآن، ۱/ ۱۵۲)



جصاص و ابن العربی کی یہ رائے اکثر فقہائے سلف کی رائے ہے، چاروں اہم فقہی مسالک: احناف، مالکیہ، شوافع و حنابلہ، فلکی حسابات کی بنیاد پر اسلامی مہینوں کے آغاز کی تعیین کو غلط کہتے ہیں، اس لئے کہ ان کے نزدیک یہ طریقہ شرعی طور پر صحیح نہیں ہے، ان حضرات کی رائے ہے کہ ان مہینوں کی تعیین یا تو آنکھ کی رویت سے ہونی چاہئے، بصورت دیگر مہینہ کو تیس دن کا ماننا چاہئے۔

اگلے صفحات میں ہم دیکھیں گے کہ ان علما نے اپنے موقف کو کیسے صحیح ثابت کیا ہے؟

معروف حنفی فقیہ احمد بن محمد حمویؒ کہتے ہیں: ''روزوں (رمضان) کے آغاز و اختتام کے لئے ہمارے نزدیک رویت ہلال شرط ہے، ماہرین نجوم کی باتوں کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، التہذیب علیٰ مذہب الشافعیؒ میں لکھا ہے کہ: رمضان کے آغاز یا اختتام کے سلسلے میں کسی ماہر نجوم کی بات ماننا جائز نہیں ہے''۔(۱)

مشہور مالکی فقیہ محمد بن عبداللہ خرشی کہتے ہیں: ''روزہ ثابت اسی طریقہ پر ہوتا ہے جو ہم نے ذکر کیا، کسی ماہر نجوم کے کہنے سے ثابت نہیں ہوتا، نہ ماہر نجوم کے لئے نہ کسی اور کے لئے، اس لئے کہ شارع نے ثبوت کو رویت، شہادت یا تیس دنوں کی تکمیل میں ہی محصور رکھا ہے، اس کے علاوہ کسی اور طریقہ کی بابت نہیں بتایا ہے، لہٰذا اگر ماہر نجوم یہ کہے کہ مہینہ ابھی پورا نہیں ہوا، یا وہ گزر چکا ہے تو اس کے اس دعوے اور حساب کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جائے گی، خواہ وہ سچا نظر آتا ہو یا نہیں (۲)۔

ایک اور معروف مالکی فقیہ محمد بن احمد دسوقی نے بھی یہی رائے اختیار کی ہے، فرماتے ہیں:

''اس لئے کہ شارع نے حکم کا مناط رویت یا تیس دنوں کی تکمیل کو بنایا ہے، آپ کا ارشاد ہے: ''مہینہ انتیس دن کا (بھی) ہوتا ہے، تم روزوں کا آغاز چاند دیکھے بغیر نہ کرو، اور چاند دیکھے بغیر روزوں کو ختم بھی نہ مانو، اگر (انتیسویں کو) چاند نظر نہ آئے تو'' فاقدروا له''اس کی

(۱) حموی، احمد بن محمد، غمز عیون البصائر فی شرح الاشباہ والنظائر، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۲/ ۶۶

(۲) خرشی، محمد بن عبداللہ، شرح مختصر خلیل، بیروت: دار الفکر، ۲/ ۲۳۷۔

تشریح ایک اور روایت سے ہوتی ہے، جس میں ہے: ''تو شعبان کو مکمل تیس دن کا مانو''۔ امام مالک کا ارشاد ہے: اگر کئی مہینوں تک ۲۹ تاریخ کو مطلع ابر آلود ہو تو اس حدیث پر مکمل عمل کرتے ہوئے تمام مہینوں کو تیس کا ہی مانیں گے، جب تک کہ اس کے خلاف ظاہر نہ ہو جائے، اور اگر بعد میں انہیں یہ معلوم ہو کہ انہوں نے جو مانا ہے وہ غلط تھا تو وہ روزوں کی قضا کریں گے۔''(۱)

مشہور محدث محمد بن عبدالباقی زرقانی مصری مالکی نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے:

''یہ بات صحیح نہیں ہے کہ اس سے (فاقدروا لہ سے) مراد ماہرین نجوم کا حساب ہے، اس لئے کہ اگر لوگوں کو اس کا مکلّف بنایا جاتا تو یہ ان کے لئے مشقت کا باعث ہوتا، کیونکہ اس کا علم تو صرف چند ہی افراد کو ہوتا ہے، اور شریعت لوگوں کو اسی چیز کا مکلّف بناتی ہے جسے ان کی اکثریت جانتی ہو''۔(۲)

امام مالکؒ کا ارشاد ہے کہ اگر حکمراں آنکھ کی رویت کے اعتبار سے انکار کردے، اور فلکی حسابات پر اعتماد کرے تو اس کی اطاعت یا پنج وقتہ نمازیں اس کی اقتدا میں ادا کرنا لازم نہیں رہتا۔

''ابن نافع نے مدینہ میں امام مالکؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر حکمراں چاند دیکھ کر رمضان کا آغاز واختتام نہیں کرتا ہے، بلکہ حساب کی بنیاد پر یہ فیصلہ کرتا ہے تو اس کی اطاعت اور اس کا اتباع نہیں کیا جائے گا''۔(۳)

قاضی ابوالولید نے اس مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: انسان پر ان ایام کے روزوں کی قضا لازمی ہے جن میں اس نے فلکی حسابات کے اعتبار سے روزے رکھے ہیں، چاند کی رویت پر اعتماد کرکے نہیں رکھے ہیں۔

(۱) دسوقی، محمد بن احمد بن عرفہ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، بیروت، ۵۰۹/۱۔

(۲) زرقانی، شرح الزرقانی علی الموطا، بیروت، ۱۵۲

(۳) باجی، سلیمان بن خلف، المنتقی شرح الموطا، قاہرہ، دارالکتاب الاسلامی، ۳۸/۲



''قاضی ابولولیدؒ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے ایسا کیا تو میری رائے یہ ہے کہ حساب کی بنیاد پر رکھے جانے والے روزوں کا اعتبار نہیں ہوگا، رویت اور تکمیل عدد کا اعتبار کیا جائے گا، اگر ایک دو روزوں کی قضا لازم آئے تو ان کی قضا کی جائے گی''(۱)

مشہور شافعی عالم وفقیہ شہاب الدین بن احمد رملی کہتے ہیں:

''شارع نے حساب پر اعتماد نہیں کیا ہے، بلکہ اس کا بالکلیہ الغا کیا ہے، حدیث میں ہے: ''ہم امی امت ہیں، حساب کتاب سے نابلد ہیں، مہینہ اتنے یا اتنے (۲۹ یا تیس) دنوں کا ہوتا ہے، ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ: روزوں کے سلسلے میں حساب پر اعتماد جائز نہیں ہے''(۲)

امام یحییٰ بن شرف نوویؒ نے اپنی کتاب میں تمام مذکورہ بالا احادیث نقل کی ہیں، اور تقریباً ان ہی اسباب کی بنا پر فلکی حسابات کو ناقابل اعتبار کہا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

''جن حضرات نے منازلِ قمر کے حساب کو معتبر مانا ہے ان کی رائے صحیحین میں مروی اس حدیثِ نبوی کی بنا پر ناقابل قبول ہے: ''ہم امی امت ہیں، حساب وتحریر سے نابلد ہیں، مہینہ اتنے اور اتنے (انتیس یا تیس) دنوں کا ہوتا ہے، علما نے ایک وجہ یہ بھی بتائی ہے کہ اگر لوگوں کو اس کا مکلّف بنادیا جائے تو ان کو تنگی کا سامنا کرنا پڑے گا، اس لئے کہ حساب کو صرف بڑے شہروں کے صرف چند افراد ہی جانتے ہیں، اس سلسلے میں صحیح قول جمہور کا ہی ہے، اس کے علاوہ دیگر اقوال غلط اور صریح احادیث کی بنا پر ناقابل قبول ہیں''۔(۳)

حافظ ابن حجرؒ نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ شارع نے حکم کو رویت پر معلق کیا ہے، اور روزوں کے سلسلے میں حکم رویت پر ہی معلق رہے گا، خواہ اوّلین نسل کے بعد حساب کتاب

(۱) حوالۂ بالا، ۳۸/۲

(۲) شہاب الدین بن احمد رملی، فتاوی الرملی، بیروت، ۵۹/۲

(۳) نووی، المجموع شرح المہذب: ۲۷۶/۶

سے آشنا لوگ پائے جانے لگیں۔

"حدیث نبوی کا جملہ "لا نکتب و لا نحسب" (ہم حساب وتحریر سے نابلد ہیں) اس وقت کے مسلمانوں کی بابت ہے، عربوں کو امی کہا جاتا تھا، اس لئے کہ ان کے شاذ و نادر افراد ہی تحریر کی صلاحیت رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ھو الذی بعث فی الأمیین رسولا منھم" (اللہ ہی ہے جس نے امیوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا)، اس پر یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ان میں چند افراد تحریر وحساب سے واقف تھے، اس لئے کہ ایسے لوگ شاذ و نادر ہی تھے، یہاں حساب سے مراد ستاروں اور ان کی گردش کا حساب ہے، وہ اس علم کی بابت بہت معمولی واقفیت رکھتے تھے، اسی لئے شارع نے روزہ وغیرہ کا حکم رویت پر ہی معلق کیا ہے، تاکہ گردش کے حساب کی زحمت سے انہیں بچایا جا سکے، روزہ کی بابت یہ حکم جاری ہے، اگرچہ بعد میں اس حساب کو ماننے والے لوگ پائے جانے لگے، اس لئے کہ ظاہر سیاق وسباق حکم کو حساب پر معلق کرنے کی نفی کررہا ہے، گزشتہ حدیث میں یہ ارشاد اس کی وضاحت کررہا ہے:" اگر چاند کا معاملہ پوشیدہ رہے تو تیس دن مکمل کرو"، یہ نہیں فرمایا کہ ایسی صورت میں ماہرین حساب سے دریافت کرو، اس کی حکمت یہ ہے کہ ایسی صورت میں تیس دن کی تکمیل کے حکم میں تمام مکلّف برابر ہوں گے، اور اس طرح اختلاف ونزاع نہیں ہوگا" (۱)

امام تقی الدین علی سبکی لکھتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:" ہم امی امت ہیں، حساب وتحریر سے نابلد ہیں، مہینہ اتنے دنوں کا ہوتا ہے (انگلیوں کے اشارے سے آپ نے انتیس کا عدد دکھایا) اور اتنے دنوں کا ہوتا ہے (یعنی تیس دنوں کا)، یہ روایت ابن عمرؓ کی ہے اور بخاریؒ و مسلمؒ نے نقل کی ہے۔ میں نے اس حدیث پر غور کیا تو میں نے پایا کہ اس میں اہل ہیئت وحساب کی اس بات کو غیر معتبر قرار دیا

(۱) ابن حجر، فتح الباری، بیروت، دار المعرفۃ، ۴/ ۶۲۳



گیا ہے کہ ان کے نزدیک مہینہ سورج کی شعاع سے چاند کے الگ ہونے سے عبارت ہے، ان کے نزدیک اسی سے مہینہ کا آغاز ہوتا ہے، اور اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک دوبارہ اس کے ساتھ جمع ہوکر علیحدہ نہ ہوجائے، ان کے نزدیک مہینہ اسی درمیان ہوتا ہے، یہ قول شریعت کی نگاہ میں قطعی طور پر باطل و ناقابل اعتبار ہے، آں حضرتؐ نے فرمایا کہ ہم عرب امی امت ہیں، حساب وتحریر نہیں کرتے ہیں، یعنی تحریر وحساب عربوں کے شایان شان نہیں ہے۔ (۱)

سبکی مزید لکھتے ہیں:

"حاصل کلام یہ ہے کہ شریعت کی نگاہ میں مہینہ دو چاندوں کے درمیان ہوتا ہے، اس کا ادراک رویتِ ہلال یا مہینہ کو تیس دن کا کرنے سے ہوتا ہے، شارع کے ذریعہ اس صورت میں مہینہ کو تیس دن کا ماننا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ چاند کا انتظار نہیں کرتے، اور حقیقت میں اس کا وجود امکانِ رویت کی شرط کے ساتھ معتبر ہے، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات نہیں کہی ہوتی تو اگر چاند فجر سے پہلے شعاع سے الگ ہوتا تو بھی اس دن کا روزہ واجب ہوجاتا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو غلط قرار دیا، اور روزہ اگلے دن کے لئے طے کیا، یہ بات علما کے مابین متفق علیہ ہے، لیکن ایک اور مسئلہ مختلف فیہ ہے، جس میں اس حدیث سے استدلال کیا بھی جاسکتا ہے اور نہیں بھی کیا جاسکتا ہے، وہ یہ ہے کہ اگر حساب یہ بتائے کہ چاند کو شعاع سے الگ ہوئے اتنا وقت گزر گیا ہے کہ اس میں وہ غروب کے وقت نظر آسکتا ہے، ایسی صورت میں علما کا اختلاف ہے، کچھ لوگ ایسی صورت میں ماہر حساب کے روزہ واجب اور دوسروں کے لئے جائز کہتے ہیں، جب کہ دیگر حضرات اس کے قائل نہیں ہیں، اور وہ حضرات اس حدیث نبوی سے استدلال کرسکتے ہیں: " جب چاند دیکھ لو تو روزہ رکھو، اور جب چاند دیکھ لو تو روزے ختم کردو، اگر (انتیسویں تاریخ کو) چاند کا معاملہ پوشیدہ رہ جائے تو تیس دن مکمل کرو"۔ یہ علما کے نزدیک صحیح تر

(۱) سبکی، تقی الدین علی، فتاوی السبکی، بیروت، دار المعرفۃ، ۱/ ۲۱۲

قول ہے، اور جو حضرات جواز کے قائل ہیں ان کا ماننا ہے کہ مقصود بس چاند کا وجود اور امکانِ رویت ہے، جیسے کہ اوقاتِ نماز کے سلسلے میں بادل چھائے ہونے کی صورت میں ہوتا ہے، یہ قول بعض بڑے علما کا ہے، لیکن صحیح پہلا قول ہے، اس میں حساب کو رد کرنا لازم نہیں آتا ہے، اس لئے کہ حساب امکان کا متقاضی ہے، اور صرف امکان پر حکم مرتب نہیں ہوجاتا ہے‘‘(۱)

شافعی فقیہ عبدالرحمٰن بن حسین عراقی نے لکھا ہے کہ افق عام طور پر ابر آلود ہوتا ہے، اور شریعت نے روزوں کے آغاز کے لئے آنکھ کی رویت کا مطالبہ کیا ہے، جمہور علما نے آنکھ کی رویت کو ماہ رمضان کے آغاز کے ثبوت کا تنہا طریقہ قرار دیا ہے، مختلف فقہی حلقوں (مالکیہ، شوافع ، احناف) اور ماضی وحال کے اکثر علما کی یہی رائے ہے۔

’’مطلع ابر آلود ہونا عام بات ہے، روزوں کی فرضیت کا شرعی سبب رویت ہے، جمہور کا مسلک یہی ہے کہ یہ حکم رویت پر معلق ہے، یہی قول امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور جمہور متقدمین ومتاخرین رحمہم اللہ کا ہے‘‘۔(۲)

فقہی کتابوں میں یہ عبارت بار بار درج ہوتی ہے: ’’روزوں کی فرضیت کا شرعی سبب رویت ہے‘‘۔ عظیم مالکی امام ومجتہد ابوالعباس قرافی تحریر فرماتے ہیں:

’’شارع نے شعاع سے چاند کے الگ ہونے کو روزہ کا سبب قرار نہیں دیا ہے، بلکہ سورج کی شعاع سے الگ ہوتے ہوئے سورج کی رویت کو سبب مانا ہے، رویت نہ ہو تو سبب شرعی بھی حاصل نہیں ہوگا، لہٰذا حکم بھی ثابت نہیں ہوگا، اس بات کی دلیل کہ شارع نے محض چاند کے سورج کی شعاع سے الگ ہونے کو روزہ کی فرضیت کا سبب نہیں مانا ہے یہ ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا: ’’چاند دیکھ کر روزوں کا آغاز کرو، اور چاند دیکھ کر روزوں کا اختتام کرو‘‘، یہ نہیں کہا رمضان کا

---

(۱) حوالۂ بالا

(۲) عراقی، عبدالرحیم بن الحسین، طرح التثریب، قاہرہ، دار احیاء الکتب العربیۃ، ۴/ ۱۱۳، ۱۱۴۔



آغاز واختتام سورج کی شعاع سے چاند کے الگ ہونے پر کرنا، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’’اقم الصلاۃ لدلوک الشمس‘‘ (نماز قائم کرو سورج کے غروب ہونے کے وقت)، پھر آپ ؐ نے فرمایا: ’’اگر چاند کا معاملہ غیر واضح ہو، تو تیس دن مکمل کرو‘‘ اس میں رویت یا تیس دن کی تکمیل کو ہی کہا ہے، چاند کے سورج کی شعاع سے نکلنے کی بابت کچھ نہیں فرمایا‘‘۔(۱)

امام نوویؒ نے صراحت فرمائی ہے کہ آغازِ ماہِ رمضان کا شرعی سبب رویت ہی ہے، فرماتے ہیں:

’’ہمارے علما اور دیگر علما کہتے ہیں کہ: رمضان کے روزے رمضان کا آغاز ہونے سے ہی فرض ہوتے ہیں، اور رمضان کے آغاز کا علم رویت ہلال سے ہی ہوتا ہے، اگر چاند نظر نہ آئے تو شعبان کو تیس دن کا ماننا لازمی ہے، اور تیس شعبان کے روزے رکھے جائیں گے، خواہ مطلع صاف ہو یا کم یا زیادہ ابر آلود‘‘(۲)

ابن رجب حنبلیؒ لکھتے ہیں: ’’اس طرح یہ بات واضح ہوگئی کہ ہمارا دین حساب وتحریر کا محتاج نہیں ہے، جیسے کے اہل کتاب اپنی عبادات کو سورج کی گردش اور اس سے متعلق حسابات کی مدد سے متعین کرتے ہیں، ہمارے دین نے روزوں کے اوقات کی تعیین کو آنکھ سے چاند کی رویت پر معلق کیا ہے، اگر رویت نہیں ہوگی تو ہم مہینے کو تیس دن کا مانیں گے، حساب کی ضرورت ہمیں نہیں ہوگی(۳)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں: ’’رمضان کے روزوں جیسے احکام بلاشبہ چاند سے ہی متعلق ہیں، لیکن چاند نکل آنے کے علم کا طریقہ صرف رویت ہی ہے، کوئی اور نہیں ہے، عقلی ونقلی دلائل سے یہی ثابت ہے، عقلی دلائل یہ ہیں:...............اسود بن قیس کہتے ہیں کہ میں

---

(۱) قرافی، انوار البروق فی انواع الفروق، ۴/ ۱۳۹۔

(۲) نووی، المجموع شرح المہذب، ۶/ ۲۷۰

(۳) ابن رجب الحنبلی، فتح الباری، ۳/ ۱۴۲۔

نے سعید بن عمر بن سعید کو سنا، وہ بتاتے تھے کہ حضرت ابن عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا کہ: ہم امی امت ہیں، تحریر وحساب سے نابلد ہیں، مہینہ اتنے اتنے اور اتنے دنوں کا ہوتا، تیسری مرتبہ میں آپ نے انگوٹھا بند کرلیا، (یعنی انگلیوں سے انتیس کا عدد بنایا) اور اتنے، اتنے اور اتنے دنوں کا ہوتا ہے یعنی مکمل تیس دنوں کا، امام احمد نے اسود بن قیس سے نقل کیا ہے کہ سعید بن عمر نے حضرت عبداللہ بن عمر کے حوالے سے رسول اکرمؐ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: ''ہم امی امت ہیں، تحریر وحساب سے نابلد ہیں، مہینہ اتنے، اتنے اور اتنے (یعنی انتیس) دنوں کا ہوتا ہے، اسحاق کہتے ہیں: آپ نے تین مرتبہ اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے اشارہ کیا، تیسری مرتبہ انگوٹھا بند کرلیا''، امام بخاریؒ نے آدمؒ عن شعبةؒ کی سند سے یہ روایت یوں نقل کی ہے: ''ہم امی امت ہیں، تحریر وحساب سے نابلد ہیں، مہینہ اتنے یا اتنے (انتیس یا تیس) دنوں کا ہوتا ہے''۔ یہ روایت امام ابوداودؒ نے سلیمان بن حربؒ عن شعبةؒ کی سند سے نقل کی ہے، اور اس کے الفاظ یہ ہیں: ''ہم امی امت ہیں، تحریر وحساب سے نابلد ہیں، مہینے اتنے، اتنے اور اتنے دنوں کا ہوتا ہے، سلیمانؒ نے تیسری مرتبہ میں اپنی ایک انگلی بند کرلی، یعنی انتیس کا اشارہ کیا'' (۱)

مزید لکھتے ہیں: شریعت سے ثابت احکام کی بابت اوقات کی تعیین کے لئے اللہ تعالیٰ نے چاند کو بنیاد قرار دیا ہے، خواہ یہ احکام شریعت میں ابتداءً مطلوب ہوں، یا سبب کے طور پر یا ایسے احکام ہوں جو بندے کے لازم کرنے سے لازم ہوجاتے ہیں، جو احکام شریعت یا بندے کے لازم کرنے سے متعین اوقات کے ساتھ لازم ہوتے ہیں، ان کے اوقات کی تعیین چاند سے ہوتی ہے، روزے، حج، ایلاء وعدت کی مدت اور روزہ کے کفارہ کا یہی حکم ہے (۲)۔

(۱) ابن تیمیة، ابوالعباس احمد، مجموع الفتاوی، تحقیق: انور الباز وعامر الجزار، مطبوعہ دار الوفا منصورہ، ۶/۱۷۔

(۲) حوالۂ بالا: ۶/۶۹



## فلکی حسابات سحر وعلم نجوم سے مربوط ہیں:

فلکی حسابات کے ذریعہ مہینہ کے آغاز کی تعیین کو فقہا کے ذریعہ مسترد کئے جانے کی اہم اسباب میں سے ایک سبب علم فلکیات اور اسلام کے حرام کردہ سحر میں فرق نہ کرنا ہے، حافظ ابن حجر کے درج ذیل کلام سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے:

''تاروں کے حساب کا کوئی اعتبار نہیں ہے، چاند کی منزلوں کا علم رکھنے والے کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے، اس کی دلیل حضرت ابن عمرؓ کی یہ حدیث ہے: ''ہم ایک امی امت ہیں اور تحریر وحساب سے ناواقف ہیں'' ............ امام ابوداود نے حضرت ابن عباس سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ: ''جس شخص نے تاروں کے علم میں سے کچھ بھی حاصل کیا تو گویا اس نے سحر کے ایک حصہ کا علم حاصل کیا''، حضرت عمرؓ سے یہ قول بھی مروی ہے: ''تاروں کا وہ علم حاصل کرو جس کے ذریعہ تم خشکی وسمندر کی تاریکیوں میں راستہ پاسکو، پھر رک جاؤ''، حضرت معرؓ کا یہ اثر حرب کرمانی نے نقل کیا ہے، ابن دقیق العید نے لکھا ہے: میرا کہنا یہ ہے کہ روزہ کے سلسلے میں حساب پر ماہرین نجوم کے ذریعہ سورج اور چاند کے سامنے آنے کے دعوے پر روزہ کے سلسلے میں اعتماد جائز نہیں ہے، یہ لوگ بسا اوقات رویت سے ایک دو دن پیشتر مہینہ شروع کردیتے ہیں، اس حساب کے اعتبار کا مطلب اللہ کی اجازت کے بغیر ایک نئی شریعت ایجاد کرنا ہے''۔(۱)

اسی لئے حافظ ابن حجرؒ نے فلکی حسابات کے استعمال کو بہت شدت کے ساتھ حرام قرار دیا ہے، اور اس سلسلے میں ان احادیث نبویہ سے استدلال کیا ہے جو مسلمانوں کو علم نجوم سے بچنے کی تاکید کرتی ہیں، مثلاً یہ حدیث: ''جو شخص علم نجوم میں سے کچھ بھی حاصل کرتا ہے وہ اس قدر علم سحر حاصل کرتا ہے''۔

(۱) ابن حجر، التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر، بیروت، دار الکتب العلمیة، ۲/۳۶۰

اسی طرح حضرت عمرؓ کے اس قول سے بھی انہوں نے استدلال کیا ہے: ''تاروں کا بس وہی علم حاصل کرو جس سے تم خشکی وسمندر میں راستہ پاسکو''۔

یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک سمت قبلہ کی تعیین کے علاوہ ستاروں سے متعلق تمام علوم حرام وغیر شرعی ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اسلامی مہینوں کے آغاز کرنے اور نہ کرنے دونوں کے سلسلے میں فلکی حسابات کے استعمال کی سخت مخالفت کی ہے۔ انہوں نے یہ بات بہت زور دے کر کہی ہے کہ فلکی حسابات کسی بھی صورت میں رویت ہلال کو ثابت کرنے کے سلسلے میں مکمل طور پر صحیح (Accurate) نہیں ہوسکتے ہیں۔ عراقی وجصاص جیسے متعدد علمانے یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔

جن متاخر علمانے فلکی حسابات کے استعمال کی اجازت دی ہے ابن تیمیہ نے ان کی رائے کو گمراہی قرار دیا ہے۔

''علمائے شریعت کا اس بات کا اتفاق ہے کہ چاند کے سلسلے میں اس پر عمل حرام ہے، عقل مند ماہرین حساب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ چاند کے نکلنے کے وقت کو حساب کے ذریعہ مکمل طور پر منضبط نہیں کیا جاسکتا ہے، اسی لئے ماہرین حساب نے اس بابت کوئی کلام نہیں کیا ہے، بلکہ اس کو غلط ہی قرار دیا ہے، کچھ متاخرین نے ہی یہ بات کہی ہے، یہ دینی گمراہی، دین میں تحریف اور یہودیوں جیسی گمراہی ہے''(۱)

بظاہر ابن تیمیہؒ کا اشارہ یہاں، یہودی علما کی اس مجلس کی طرف ہے جس میں انہوں نے یہ طے کیا تھا کہ فلکی حسابات ہی یہودی کیلنڈر کے مہینوں کی تعیین کا واحد صحیح طریقہ ہیں، ایک اور مقام پر ابن تیمیہؒ نے ان حسابات کی بابت اپنی رائے یوں ظاہر کی ہے:

''بلاشبہ صحیح حدیث اور اتفاقِ صحابہ سے یہ بات ثابت ہے کہ تاروں کے حساب پر

(۱) ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی، ۶/۵۹۰



اعتماد جائز نہیں ہے، مثلاً صحیحین کی روایت ہے: ''ہم امی امت ہیں، تحریر وحساب سے نابلد ہیں، چاند دیکھ کر (رمضان کے) روزوں کا آغاز کرو، اور چاند دیکھ کر ہی اس سلسلہ کا اختتام کرو''، چاند کے سلسلے میں حساب پر اعتماد کرنے والا گویا کہ دینی وشرعی طور پر گمراہ اور بدعتی ہے، لہذا وہ عقل اور علم حساب کی رو سے غلط ہے''(۱)

## فلکی حسابات کو غیر دقیق کہنا:

''اگر کسی شخص کو یہ وہم ہو کہ اس علم کے ذریعہ مستقبل کے واقعات کا پیشگی علم ہوجاتا ہے، اور یہ مفید ہے، اس علم سے ناواقفی اھون البلیتین ہے اس علم کا ضرر اس کے نفع سے زیادہ ہے، اس لئے کہ تجربہ اور تواتر سے خواص وعوام کو یہ معلوم ہے کہ ماہرین نجوم کی پیشین گوئیوں میں سے اکثر میں جھوٹ سچ سے کہیں زیادہ ہوتا ہے، اس سلسلے میں وہ ایک طرح کے کاہن ہیں، صحیح حدیث میں ہے کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ ہم میں سے کچھ لوگ کاہنوں کے پاس جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: وہ کچھ نہیں ہیں، لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ: بسا اوقات ان کی باتیں صحیح نکلتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہوتا یہ ہے کہ کوئی جن صحیح بات سن لیتا ہے تو اپنے آدمی کے کان میں اسے کہہ دیتا ہے''۔ ایک اور موقع پر آپؐ نے بتایا کہ اللہ جب کوئی فیصلہ کرتا ہے تو اس کی بات کی ہیبت سے فرشتے اپنے پر ہلانے لگتے ہیں، جن سے اس طرح آواز ہوتی ہے جیسے چٹان پر زنجیر کی، پھر جب ان کے دل سے یہ ہیبت نکل جاتی ہے، تو کہتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا کہا: تو کہتے ہیں کہ حق کہا، ہر آسمان والے اپنے سے نیچے والے آسمان والے کو بتاتے ہیں، یہاں تک کہ خبر آسمانِ دنیا تک پہنچ جاتی ہے، وہاں کچھ چوری چھپے سننے والے ہوتے ہیں، جو تلے اوپر ہوتے ہیں، بسا اوقات شہاب ثاقب آنے سے پہلے وہ بات

(۱) ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی، ۶/۷۵

سن کر اس کے کان تک پہنچا دیتا ہے، آپؐ نے فرمایا: ''اگر وہ ان کو سچ بھی بتاتے ہیں تو وہ اس ایک سچ میں سو جھوٹ ملا دیتے ہیں'' (۱)

اپنی اس رائے میں ابن تیمیہ نے اپنے زمانے کے ماہرین نجوم کے حالات پر اعتماد کیا ہے، یہ لفظ اس وقت ہر اس شخص کے لئے استعمال کیا جاتا تھا جو علم نجوم جاننے کا دعویٰ کرتا تھا، انہوں نے اپنے گردوپیش کے حالات سے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ فلکی حسابات جھوٹ، دھوکے اور فریب پر مبنی ہے۔

''یہی حال ماہرین نجوم کا ہے، یہاں تک کہ جب میں نے ان سے دمشق میں گفتگو کی، اور میرے پاس ان کے ماہرین آئے اور پھر ان عقلی دلائل کی روشنی میں ان کی غلطی واضح ہوئی جن جن کو یہ صحیح سمجھتے تھے تو مجھ سے ان کے ایک بڑے آدمی نے کہا: بخدا ہم سو جھوٹ بولتے ہیں تو ایک سچ ہوتا ہے''۔ (۲)

ابن تیمیہ مزید لکھتے ہیں: اس کے فساد و حرمت پر بہت سے دلائل دلالت کرتے ہیں، جن کے ذکر کا یہ مقام نہیں ہے، صحیح مسلم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''جو کسی ''عرّاف'' کے پاس کچھ پوچھنے کے لئے گیا اللہ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں کرتا ہے''۔ ''عرّاف'' کی بابت بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ کاہنوں، نجومیوں اور ماہرین علم رمل جیسے تمام لوگوں کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ (۳)

فلکی حسابات اور علم نجوم سے وابستگی رکھنے والوں کے لئے ان لوگوں نے متعدد سزائیں متعین کی ہیں، مثلاً: محمد بن احمد علیش نے لکھا ہے کہ کسی مسلمان یہاں تک کہ خود ماہرین نجوم کے

(۱) حوالۂ بالا: ۹/ ۲۲۴
(۲) حوالۂ بالا
(۳) حوالۂ بالا



لئے بھی فلکی حسابات کی بنا پر روزہ رکھنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ ماہر نجوم کا اتباع حرام ہے، اور اگر ماہر نجوم لوگوں کے سامنے یہ اعلان کرے کہ قضاوقدر پر تاروں کے اثرات ہیں، تو اسے توبہ کا مطالبہ کئے بغیر قتل کر دیا جائے گا، اگر وہ اپنے عقائد و نظریات کو چھپائے اور لوگوں کی زندگی پر تاروں کی تاثیر کی بابت راز دارانہ طور پر اپنی رائے پر قائم رہے، تو ایسی صورت میں اس کے ساتھ مرتد کا معاملہ کیا جائے گا، یعنی اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا، اگر توبہ سے انکار کر دے گا تو قتل کر دیا جائے گا، اگر کوئی مسلمان ماہر نجوم ہو، یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ ہی کے تصرف سے سب کچھ ہوتا ہے، اور تارے دنیا میں ہونے والے واقعات کی بس علامتیں ہیں، یہ بذاتِ خود مؤثر نہیں ہیں۔

''جو ماہر حساب سورج و چاند کی گردش کا حساب لگاتا ہے وہ خود یا کوئی اور اس کے حساب پر اعتماد نہیں کر سکتا ہے، نجومی کی تصدیق حرام ہے، اگر وہ تاروں کو بذاتِ خود مؤثر مانتا ہے تو اس سے توبہ کا مطالبہ کئے بغیر اسے قتل کر دیا جائے گا، یہ حکم تب کا ہے جب وہ یہ عقیدہ چھپا کر رکھتا ہے، اور اگر ظاہر کرتا ہے اور اس پر حق بدلائل واضح ہو جائے تو وہ مرتد ہے، اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا، اگر وہ توبہ کر لے تو ٹھیک ہے، ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا، اور تاروں کے مؤثر ہونے کا اعتماد نہ رکھتا ہو، اور یہ سمجھتا ہو کہ حقیقی کارساز اللہ تعالیٰ ہے، جسے نے انہیں عالم میں ہونے والے واقعات کی علامت بنایا ہے تو وہ مومنِ عاصی ہے'' (۱)

معروف مالکی فقیہ ابن رشد الحفید کا خیال ہے کہ ماہر نجوم کو تنبیہ اور تادیب لازمی ہے۔

''ابن رشدؒ کے نزدیک ماہر نجوم کو اس کے اعتقاد پر تنبیہ اور تادیب کی جائے گی، اور اس کی تصدیق حرام ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''قل لا یعلم من فی السماوات والارض الغیب الا اللّٰہ'' (کہدو کہ آسمان و زمین میں جو بھی اللہ کے علاوہ ہیں وہ غیب کو نہیں جانتے سوائے اللہ کے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جس نے کسی کاہن یا نجومی

(۱) علیش، احمد بن محمد، منح الجلیل شرح مختصر خلیل، مطبوعہ بیروت، ۲/ ۱۱۳۰۔

کی تصدیق کی تو اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والے دین کا انکار کیا''، مازری کے نزدیک اگر یہ شخص علم نجوم کے حسابات کو سنت اللہ کے مطابق سمجھتا ہو تو گناہ گار نہیں ہے، اس حدیث کی بنیاد پر، ''اگر سمندر (مغرب) کی جانب سے بادل اٹھے اور پھر شام (شمال) کی جانب جائے تو پھر موسلا دھار بارش طے ہے، جہاں تک اس حدیث قدسی کا تعلق ہے: ''میرے کچھ بندوں نے صبح اس حال میں کی کہ وہ مجھ پر ایمان رکھتے تھے، اور کچھ نے اس حال میں کہ وہ میرے تئیں کفر کرتے تھے، جس نے یہ کہا کہ بارش اللہ کے فضل سے ہوئی تو وہ مجھ پر مومن اور تاروں کا کافر ہے، اور جس نے یہ کہا کہ فلاں تارہ کی وجہ سے بارش ہوئی تو وہ میرا کافر اور تارہ پر ایمان رکھنے والا ہے'' تو یہ اس شخص کی بابت ہے جس نے اس فعل (بارش) کی نسبت اس تارہ کی جانب کی ہو، دونوں احادیث کے درمیان یہ تطبیق امام مالکؒ نے دی ہے''(۱)

مبارک بن محمد الجزری نے ماہر فلکیات کو 'شیاطین الانس' کہا ہے، اس لئے کہ وہ اپنے حسابات میں محض اندازہ وتخمین کو بنیاد بناتے ہیں، انہوں نے وہ روایت بھی ذکر کی ہے جس میں علم فلک کو سحر کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے۔

''اس لئے کہ وہ شیاطین الانس ہیں، اور ایک روایت میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے: ''جس نے علم نجوم کے کسی بھی ایسے حصہ کا علم حاصل کیا جو اللہ کے ذکر کردہ حصہ سے الگ ہے تو اس نے سحر کے ایک حصہ کا علم حاصل کیا (۲)۔

## جمہور علما کی رائے کا خلاصہ:

ان فلکی حسابات کو اسلامی مہینوں کی تعیین کا قابل اعتماد مرجع ماننے سے جو امور ان فقہا

(۱) حوالۂ بالا

(۲) جزری، مبارک بن محمد، النہایۃ فی غریب الاثر، تحقیق: طاہر احمد زاوی ومحمود محمد طناجی، بیروت المکتبۃ العلمیۃ، ۱۹۷۹ء، ۲/ ۲۰۵



کے نزدیک مانع ہیں میں ان کو درج ذیل نقاط میں تحریر کر رہا ہوں:

پہلا نقطہ: اسلامی مہینوں بالخصوص ماہ رمضان کے آغاز وعدم آغاز کی تعیین آنکھ کی رویت سے ہی ہوتی ہے، اسی کو شریعت کی نگاہ میں اعتبار حاصل ہے، اس لئے کہ آنکھ کی رویت ہی ماہ رمضان کے آغاز کی صحیح تعیین کی ضامن ہے، لیکن (جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے) ان علما کے نزدیک آنکھ کی یہ رویت ہی بذاتِ خود مقصود یعنی آغاز رمضان کا شرعی سبب ہے، بنیادی ہدف (یعنی روزوں کے آغاز واختتام) کے حصول کا وسیلہ نہیں ہے، رویت سے ان کی مراد آنکھ کی رویت ہوتی ہے، ان حضرات کے نزدیک علمائے سلف کا اس بات پر اجماع ہے کہ صرف رویت یا جاری مہینہ کو تیس دن کا ماننا ہی آغازِ مہینہ کے دو طریقے نہیں ہیں، علمائے سلف میں سے یہ حلقہ بار بار یہ بات کہتا ہے کہ جو احادیث نبویہ مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں حساب کے اعتبار کی جانب اشارہ کرتی ہیں انہیں ان روایات کی روشنی میں سمجھنا چاہئے جو مہینہ کو تیس دن کا کرنے کو کہتی ہیں، یہ حضرات اسے امت کا اجماع کہتے ہیں، اور ابن تیمیہ نے اجماع کی بابت لکھا ہے:

''مسلم علما کا کسی حکم پر اجماع، جب امت کا اجماع کسی حکم پر ثابت ہو جائے تو پھر کسی کو ان کے اجماع کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں ہوگی، اس لئے کہ امت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی ہے''(۱)

انہوں نے مزید لکھا ہے: محقق بات یہ ہے کہ معروف اجماع کا مخالف اسی طرح کافر ہے جس طرح نص کا مخالف کافر ہو جاتا ہے''(۲)

دوسرا نقطہ: فلکی حسابات محض ایسے اندازوں اور مفروضوں سے عبارت ہیں جو قمری مہینوں کے آغاز واختتام کے سلسلہ میں ہماری صحیح راہ نمائی نہیں کر سکتے ہیں۔

(۱) ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی، ۴/ ۲۳۳

(۲) ایضا، ۴/ ۲۲۲

ہم دیکھتے ہیں کہ ابن تیمیہ اور جصاص جیسے بعض علمائے سلف نے فلکی حسابات کو بالجملہ وبالتفصیل مسترد کرنے والی رائے کو اختیار کیا ہے۔

تیسرا نقطہ: فلکی حسابات اور ستاروں کی گردش کا اعتبار ساحروں اور مدعیانِ علم غیب کا عمل ہے، اور اسلام میں اس کی حرمت بڑی شدت کے ساتھ بیان کی گئی ہے:

"حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: جس نے ستاروں کی بابت کوئی علم حاصل کیا گویا اس نے سحر کے ایک حصہ کو حاصل کیا، جو جس قدر زائد علم نجوم حاصل کرے گا وہ اتنا زیادہ علمِ سحر حاصل کرے گا" (۱)

امام احمدؒ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو چند امور سے روکا تھا جن میں ایک نجومیوں کی ہم نشینی بھی ہے:

"حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: اے علی! وضو بہت اہتمام سے کیا کرو، خواہ یہ تم پر گراں گزرے، صدقہ کا مال نہ کھانا، گوڑھوں اور گدھوں کے درمیان تناسل نہ کرانا اور نجومیوں کی ہم نشینی نہ کرنا" (۲)

چوتھا نقطہ: فلکی حسابات پر اعتماد عام لوگوں کے لئے مشکل کام ہے، اس لئے کہ حسابات صرف چند ہی لوگ لگا سکتے ہیں اور وہ بھی بڑے شہروں میں، جیسے کہ امام نوویؒ کی رائے ہے۔

پانچواں نقطہ: آغازِ ماہ رمضان جیسے شرعی امور میں فلکی حسابات کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو روکا ہے، فرمایا ہے: "ہم امی امت ہیں، تحریر وحساب سے نابلد ہیں"۔

دوسرے پہلو سے دیکھیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھ کی رویت یا تیس دنوں کی

(۱) سنن ابی داود، بیروت: دار الفکر، ۱۰/ ۴۱۲

(۲) مسند احمد: ۲/ ۵۵



تکمیل کے اصول پر اعتماد کرنے کا مطالبہ کیا ہے، اور یہیں سے کچھ علما نے یہ سمجھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لئے فلکی حسابات کے استعمال کو ممنوع قرار دیا ہے، اور ایسا آپؐ نے مسلمانوں کو ان یہود مدینہ کی مشابہت اختیار سے روکنے کے لئے کیا تھا جو اپنے قمری برس کے مہینوں کی تعیین میں ان حسابات پر اعتماد کرتے تھے، یہودی کیلنڈر کا آغاز ہیلل دوم (متوفی ۳۳۰-۳۶۵ء) نے کیا تھا، جسے بعد میں یہود مدینہ نے اپنا لیا تھا، اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالعموم مسلمانوں کو یہودیوں کی مشابہت سے روکا ہے اس لئے اسلامی کیلنڈر کی تحدید کے لئے فلکی حسابات کا استعمال بھی اسی دائرہ میں آتا ہے، اور یہودیوں کی مشابہت کے ممنوع ہونے کے اصول کے تحت یہ بھی ممنوع ہوگا۔

"حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہم امی امت ہیں، تحریر وحساب نہیں کرتے، مہینہ اتنے اور اتنے دنوں کا ہوتا ہے، ایک مرتبہ آپ نے انتیس کا اشارہ کیا اور ایک مرتبہ تیس کا"۔ (۱)

"حضرت عبداللہ بن عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: ہم امی امت ہیں، نہ لکھتے ہیں اور نہ حساب کرتے ہیں، مہینہ اتنے دنوں کا ہوتا ہے، تیسری مرتبہ آپ نے ایک انگوٹھا بند کر لیا (یعنی انتیس دنوں کا اشارہ کیا)، اور اتنے (یعنی تیس) دنوں کا ہوتا ہے۔ (۲)

چھٹا نقطہ: دینی امور مثلاً رمضان وشوال کی تعیین کے لئے فلکی حسابات کا اتباع عبادت بالخصوص روزہ کی روح کے منافی ہے اور اس پر منفی اثر ڈالتا ہے، اس لئے کہ اس میں آپؐ کے واضح احکام کی مخالفت ہے، آپؐ کا ارشاد ہے: "(رمضان کے) روزوں کا آغاز چاند دیکھے بغیر نہ کرو، اور ان روزوں کے سلسلہ کا اختتام بھی چاند دیکھے بغیر نہ کرو"۔ یعنی آپؐ نے اپنی متعدد

(۱) مسلم: صحیح مسلم، ۵/ ۳۵۱

(۲) صحیح بخاری، ۶/ ۴۸۷

حدیثوں میں صیغۂ نفی (چاند دیکھے بغیر روزے نہ رکھو) اور صیغۂ اثبات (چاند دیکھ کر روزے رکھو) کا استعمال کیا ہے، ایسا آپ ؐ نے مسلمانوں کو یہ مؤکد حکم دینے کے لئے کیا ہے کہ وہ اپنے مخصوص طریقے ہی استعمال کریں، یہودیوں کے طریقے استعمال نہ کریں۔

اسی لئے ان علما کا خیال ہے کہ جو مسلمان احکام نبویؐ کی مخالفت کرتے ہوئے روزوں کا آغاز فلکی حسابات پر اعتماد کرتے ہوئے کرتے ہیں ان کے اوپر ان روزوں کی قضا فرض ہے جو انہوں نے بغیر رویت کے ان حسابات کی بنیاد پر کئے ہیں۔

ساتواں نقطہ: نئے چاند کے لئے ”ھلال“ کا لفظ عربی زبان میں استعمال ہوتا ہے، جس کے لغوی معنیٰ ہیں: روشنی کے عکس والا، جو کسی دوسری چیز کی روشنی سے روشن ہو، خود اس کی اپنی روشنی نہ ہو، اس معنیٰ کے اعتبار سے دیکھیں تو چاند ”ھلال“ تبھی ہوگا جب آنکھوں کو نظر آجائے، یہ رائے ”ہلال“ کے لفظی معنیٰ کی بنیاد پر ہے۔

ابن منظور نے ”ہلال“ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

”ھلال: وہ نیا چاند جسے لوگ مہینہ کے آغاز میں دیکھیں، کہا جاتا ہے کہ: صرف مہینہ کے پہلے دو دنوں کے چاند کو ھلال کہتے ہیں، مہینہ کے بقیہ ایام کو چاند نہیں کہتے، تا آنکہ دوسرے مہینہ کا آغاز ہوجائے، بعض ماہرین لغت کا کہنا ہے کہ ابتدائی تین دنوں کے چاند کو ”ھلال“ کہتے ہیں، پھر چاند کو ”قمر“ کہتے ہیں، کچھ اور حضرات کا کہنا ہے کہ جب تک چاند کے گرد ہالہ نہ بن جائے اسے ”ھلال“ ہی کہتے ہیں، ایک قول یہ بھی ہے کہ جب تک اس کی روشنی تاریک رات کو روشن نہ کردے، اور ایسا ساتویں رات کو ہوتا ہے“(۱)

## قرآنی دلائل کا جائزہ:

آیتِ قرآنی ”فمن شهد منكم الشهر فليصمه“ کی تفسیر عام طور پر اس طرح

(۱) ابن منظور، لسان العرب، بیروت، دار احیاء التراث الاسلامی، ۱۱/۷۰۱۔



کی جاتی ہے کہ اس سے مراد آنکھ کی رویت ہے۔

لیکن احمد بن فارس نے مقاییس اللغة میں تحریر کیا ہے: ”شهد“ کے لغوی معنیٰ موجود ہونے، جاننے اور بتانے کے ہیں: ”شهد“ شین ھاء اور دال، یہ مادہ موجود ہونے، جاننے اور بتانے کے ہیں، اس کا کوئی اشتقاق واستعمال ان مذکورہ معانی سے الگ نہیں ہوتا ہے۔(۱)

یعنی لغوی اعتبار سے ”فمن شهد“ کے معنیٰ مندرجہ ذیل تین معانی کے علاوہ نہیں ہوسکتے:

(۱) رمضان کے مہینہ میں جو موجود ہو اس پر رمضان کے روزے فرض ہیں۔

(۲) جس کو رمضان کی آمد کا علم ہو اس پر رمضان کے روزے فرض ہیں۔

(۳) جو شخص رمضان کی آمد کی اطلاع دے اس پر رمضان کے روزے فرض ہیں۔

کسی بھی صورت میں اس آیت کی یہ تفسیر نہیں کی جاسکتی ہے کہ جو شخص بھی رمضان کا چاند دیکھے اس پر رمضان کے روزے فرض ہیں، یہ تفسیر تو تمام عربی قواعد کے خلاف ہوگی، اسی لئے مفسرین نے اس کی تشریح یوں کی ہے:

”رمضان کے مہینہ میں جو موجود ہو اس پر رمضان کے روزے فرض ہیں“۔

خود قرآن مجید نے ”شهد“ کو ان تینوں مذکورہ بالا معانی میں استعمال کیا ہے:

”شهد الله انه لآ اله الا هو والملئكة واولوالعلم قائماً بالقسط لا الٰه الّاهو العزيز الحكيم“(بقرہ:۱۸)

(اللہ نے، فرشتوں نے اور اہل علم نے بتایا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی اور معبود نہیں ہے، اور وہ انصاف کے ساتھ قائم ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، وہ زبردست اور حکمت والا ہے)۔

یہاں شهد کا ترجمہ آنکھ سے دیکھنا نہیں کیا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے، بلکہ یہاں اس سے مراد مخلوق کے لئے وضاحت کرنا، اور مخلوق کو بتانا ہے، جلال الدین سیوطی نے یہ

(۱) ابن فارس، مقاییس اللغۃ، دمشق، اتحاد الکتاب العرب، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء

معنیٰ اس طرح بتائے ہیں: ''شھد اللّٰہ: یعنی اس نے اپنی مخلوق کے لئے دلائل ونشانیوں کے ذریعہ واضح کیا ہے''(۱)

یعنی یہاں ''شھد'' کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے آیات ودلائل کے ساتھ یہ بات واضح کردی ہے کہ'' وہ ایک ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے''۔

''شھد'' کا یہ لفظ انسانی اعضاوحواس مثلاً آنکھ کان وغیرہ کے ساتھ بھی استعمال ہوا ہے، ایسی صورت میں بھی اس سے مراد انسانی آنکھ کی رویت نہیں ہوسکتی:

''حتی اذا ماجاء وھا شھدعلیھم سمعھم وابصارھم وجلودھم بماکانوایعملون وقالوا لجلودھم لم شھد تم علینا قالوا انطقنااللہ الذی انطق کل شیء وھو خلقکم اوّل مرۃ والیہ ترجعون''(فصلت:۲۰۔۲۱)

(یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے تو ان کے خلاف ان کے کان، ان کی آنکھیں اوران کی کھالیں گواہی دیں گی ان کے اعمال کی، وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے تم ہمارے خلاف کیوں گواہی دیتی ہو، وہ کہیں گی ہمیں اسی اللہ نے بلوایا ہے جو ہر چیز کو بلواتا ہے، اوراسی نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے، اوراسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے)۔

اس آیت میں آنکھ، کان اورکھال کی گواہی کو قرآن مجید نے لفظ ''شھد'' کے ذریعہ تعبیر کیا ہے، اورکوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ اعضاوجوارح اپنی انسانی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ ان کی انسانی آنکھیں ہی نہیں ہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اعضا انسان کے دنیوی زندگی میں کئے گئے اعمال کی خبر دیں گی۔

ایک اورآیت میں ہمیں لفظ ''شھد'' کے ایک اورمعنی ملتے ہیں، اوروہ ہے حق کی گواہی دینا، ''ولایملک الذین یدعون من دونہ الشفاعۃ الا من شھد بالحق وھم

(۱) سیوطی، جلال الدین، تفسیر جلالین، قاہرہ، دارالحدیث، طبع اول، ۱/۳۱۰



یعلمون''(زخرف:۸۶)(اورجن کو یہ اللہ کے خلاف پکارتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے، یہ حق تو بس انہیں حاصل ہے جو حق کی گواہی دیں اورجانتے ہوں)۔

یہاں ہم ایک مرتبہ یہ کہتے ہیں کہ: حق کی یہ گواہی انسانی آنکھوں سے دیکھ کر نہیں ہوسکتی اس لئے کہ حق کوئی ایسا مادہ نہیں ہے کہ جس کو آنکھ سے دیکھا جاسکے، بلکہ یہاں اس لفظ سے مراد حق کے ساتھ کھڑا ہونا ہے، اس کے ایک معنی اخلاص کے ساتھ حق کی معرفت ہے، لیکن یہاں بہر حال آنکھ کی رویت مراد نہیں ہے۔

اس آیت کریمہ کی روشنی میں اس لفظ کے لغوی معنیٰ کا خیال رکھتے ہوئے مفسرین قرآن نے سورۂ بقرہ کی آیتِ صیام کی تشریح یوں کی ہے: جو شخص رمضان کے آغاز کے وقت حاضر وموجود ہو، مسافر یا مریض نہ ہو اس پر رمضان کا روزہ رکھنا فرض ہے۔

امام ابوعبداللہ القرطبی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ اورحضرت عائشہؓ جیسے متعدد صحابہ کے نزدیک آیتِ صیام میں ''شھد'' کے معنیٰ مہینہ میں موجود ہونا ہے:

حضرات علی بن ابی طالب، ابن عباس، سوید بن غفلہ اورحضرت عائشہ، یہ چار صحابہ نیز ابومجلز لاحق بن حمید اورعبیدہ السلمانی نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ جو ماہ رمضان کے آغاز کے وقت موجود ہو اوراس کے آغاز میں اپنے شہر میں مقیم ہو اسے اس کے روزے پورے رکھنے چاہییں ......، اورجو اسے موجود پائے وہ اس کے روزے رکھے۔(۱)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

'' فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ'' اس آیت میں اللہ نے روزوں کو مقیم صحت مندوں پر فرض کیا ہے اورمریض ومسافر کو رخصت دی ہے''۔(۲)

(۱) قرطبی، الجامع لاحکام القرآن الکریم، ریاض: دارعالم الکتب، ۱/۲۰، ۱۴۲۳ھ

(۲) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱/۴۹۹

ایک اور مقام پر بھی ابن کثیر نے یہی معنیٰ بتائے ہیں: فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ میں اس شخص کے لئے روزوں کو فرض قرار دیا گیا ہے، جو مہینہ کے آغا کے وقت مقیم اور صحت مند ہوں"۔(۱)

جلال الدین سیوطی نے بھی " شھد " کے معنیٰ " حَضَرَ " کے بتائے ہیں۔(۲)

امام نسفیؒ نے بھی اس کے معنیٰ "حضور" کے ہی بتائے ہیں " فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ" (بقرہ:۱۸۵) یعنی جو اس مہینہ میں مقیم ہو، مسافر نہ ہو، وہ اس کے روزے رکھے، روزے چھوڑے نہیں"(۳)

یہی امام شوکانیؒ کی رائے ہے: "یعنی حاضر ہو، سفر میں نہ ہو، مقیم ہو"۔

امام فخر الدین الرازی نے بھی " شھد " کے معنیٰ " حضر "اور " شھود " کے معنی " حضور " کے لکھے ہیں۔

انہوں نے یہ بھی لکھا ہے: " مہینہ کی موجودگی کیسے حاصل ہوگی؟ اس کا جواب ہے رویت سے یا سماع سے"(۴)

اس طرح یہ بات طے ہوگئی کہ اس آیت میں لفظ " شھد " کے معنی حاضر ہونے کے ہیں، اس آیت میں اس لفظ کی تفسیر کی بابت کوئی اور رائے نہیں پائی جاتی ہے، آیت کا لغوی سیاق بھی اسی تفسیر کی تائید کرتا ہے، اس لئے کہ عبارت " فمن شھد " کے یہی معنی اس سے معلوم ہوتے ہیں کہ جو شخص مہینہ میں حاضر ہو وہ روزے رکھے، اور جو مریض ہو یا مسافر ہو وہ ان ایام کی

(۱) حوالۂ بالا، ۱/ ۵۰۳
(۲) سیوطی، تفسیر الجلالین، ۱/ ۱۹۱
(۳) نسفی، مدارک التنزیل وحقائق التاویل، بیروت، دار النفائس، ۱/ ۹۵
(۴) ایضا: ۳/ ۱۰۳



قضا کرے، امام آلوسی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ کہنا تو صحیح نہیں ہے کہ جسے ہلال کا علم ہو وہ روزہ رکھے، اور جو مریض یا مسافر ہو وہ قضا کرے، اس لئے کہ ایسی صورت میں قسم ثانی قسم اول میں داخل ہے، اور عاطف تفصیلی ان دونوں کے الگ ہونے کا تقاضا کرتا ہے............اسی لئے اکثر نحویوں کی رائے ہے کہ " شھر " مفعول بہ ہے، اور فٓ سببیت یا تعقیب کے لئے ہے، تفصیل کے لئے نہیں"(۱)

امام آلوسیؒ نے یہاں یہ کہا ہے کہ آیت کریمہ کے الفاظ کے دو معانی میں سے ایک ہی معنی ہو سکتے ہیں، یا تو اس سے مراد شخصی حاضری ہوگی، یا علم کے ذریعہ موجودگی، اور ہم " شھر " کو مفعول بہ مانیں یا مفعول فیہ اس کے معنیٰ آنکھ سے دیکھنے کے نہیں ہو سکتے ہیں،" شھد " " شھود " سے ہے، اور اس کے معنیٰ بذاتِ خود یا علم کے ذریعہ موجودگی ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہاں دونوں کے ذریعہ حاضری مراد ہے"۔(۲)

رازی کی بھی یہی رائے ہے کہ بہر حال اس کے معنی حاضر ہونے کے ہیں، نئے چاند کی آنکھ سے رویت کے نہیں ہیں،" پھر یہاں دو قول ہیں: ا۔" شھد " کا مفعول محذوف ہے۔ اس لئے کہ اس کے معنیٰ ہیں کہ جو اپنے گھر یا شہر میں حاضر ہو یعنی مسافر نہ ہو، اور " الشھر "بر بنائے ظرفیت منصوب ہے۔ ۲۔ شہد کا مفعول " الشھر "ہی ہے، یعنی جو شخص مہینہ کا مشاہدہ اپنی عقل اور اپنے علم کے ذریعہ کرلے تو وہ اس کے روزے رکھے، یہ ایسے ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے: " شھدتُ عصر فلان " یعنی میں نے فلاں کا زمانہ دیکھا یا پایا۔(۳)

عربوں کے یہاں " شھد " کا لفظ حاضر ہونے کے معنیٰ میں بکثرت استعمال ہوتا ہے،

(۱) آلوسی، روح المعانی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، ۲/ ۱۲۹۔
(۲) حوالۂ بالا
(۳) رازی، مفاتیح الغیب، ۳/ ۱۰۲

عرب کہتے ہیں،'' شهدت صلاة الجمعة أو الحج '' (میں نماز جمعہ یا حج میں حاضر ہوا) اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ نماز جمعہ و حج ایسی مادی چیزیں نہیں ہیں کہ ان کا مشاہدہ آنکھ سے کیا جائے ،اس لئے واضح ہے کہ یہاں اس سے مراد نماز جمعہ یا کسی برس کے حج میں حاضر ہونا ہے۔

اس درج بالا جائزہ سے ہم اس حتمی نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ ماہ رمضان کی حاضری اس کے روزوں کی فرضیت کا سبب شرعی ہے نہ کہ رویت، رویت تو بس اس سبب کے وجود میں آنے یعنی رمضان کا آغاز ہونے کا صرف ایک وسیلہ ہے۔

بدقسمتی سے بعض معاصر مسلمانوں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ نص قرآنی پر اپنی رائے تھوپیں، اور نص کو خود نہ بولنے دیں، وہ اپنے فہم کو زبردستی نص پر تھوپنا چاہتے ہیں، اور پھر اسے قرآنی حکم کی صحیح تفسیر پر ترجیح دیتے ہیں، اور ایسا ثابت کرتے ہیں کہ جیسے قرآن ان کی رائے کو صحیح قرار دیتا ہے، حالانکہ صحیح رویہ اس کے برخلاف ہے، قرآن کو اصل اور ان کی رائے و تشریح کو اس کا تابع ہونا چاہیئے۔

'' ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے قرآن مجید کے ایک حرف کی تفسیر کی بابت سوال کیا گیا، تو انہوں نے فرمایا: اگر میں نے قرآن مجید کے ایک حرف کی تفسیر بھی اللہ کی مراد کے خلاف کر دی تو کون سا آسمان مجھے سایہ دے گا کون سی زمین مجھے اٹھائے گی، میں کہاں جاؤں گا اور کیا کروں گا'' (۱)۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے قرآن مجید کے ایک آسان لفظ کی بابت سوال کیا گیا تھا، جس کا کوئی تعلق کسی حکم شرعی سے نہیں تھا، لیکن انہوں نے انکار کر دیا، اور ایسی بات کہنے سے خوف محسوس کیا جس پر انہیں اطمینان نہیں تھا، تو پھر کیسے کچھ لوگ اپنے آپ کو اس بات کا مجاز سمجھتے ہیں کہ وہ قرآن مجید کے کسی لفظ کی تفسیر بدل دیں، اور بغیر معنائے مقصود کو خوب اچھی طرح سمجھے

(۱) قرطبی، الجامع لاحکام القرآن الکریم، ۱/ ۳۴



ہوئے اس کی تشریح اپنی خواہش کے مطابق کریں، اللہ تعالیٰ ہماری اور مسلمانوں کی اس بات سے حفاظت فرمائے کہ ہم اللہ کی جانب ایسی بات کی نسبت کریں جس کا ہمیں علم نہیں ہے۔

اگر ہم ان معاصر مسلمانوں کی رائے اختیار کرتے ہوئے '' شہود'' کے معنیٰ آنکھ کی رویت کے لیں تو اس پر متعدد سوالات سامنے آتے ہیں، کیا رمضان کا چاند دیکھنے والے ہر شخص پر روزے فرض ہیں، پھر مریض، غیر مکلّف بچے، حاملہ خاتون، مسافر یا عمر دراز خاتون کا کیا حکم ہوگا؟ کیا آنکھ سے چاند دیکھ کر ان سب پر بھی روزے فرض ہو جائیں گے؟

دوسرے پہلو سے دیکھیں تو '' شہد'' کے معنیٰ انسانی آنکھ سے دیکھنے کے لیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا، کہ جو شخص آنکھ سے چاند نہ دیکھے اس پر روزے فرض نہ ہوں گے، اور عام طور پر بہت کم ہی لوگ چاند دیکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ تو نہیں فرمایا ہے کہ '' شهود شهر '' کا عمل جو شخص کرے اس کے پورے گاؤں یا شہر والے روزے رکھیں، اگر ایسا ہوتا تو اللہ ضرور ایسا کہتا۔

پھر تو اس تفسیر کو ماننے میں رمضان کے روزوں کی بابت بڑی عجیب صورت حال پیش آجائے گی، اسی لئے ابوالسعود، صاحبِ کشاف، سمرقندی اور تقریباً تمام مفسرین نے '' شہود'' کے معنیٰ حاضر ہونے کے بتائے ہیں۔

لیکن بعض فقہا نے آنکھ کی رویت کا حکم دینے والی احادیث کی روشنی میں '' شہد'' کا مطب آنکھ کی رویت کو ہی بتایا ہے، مثلاً مندرجہ ذیل حدیث: '' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: '' چاند دیکھ کر روزہ رکھو، اور چاند دیکھ کر روزوں کا سلسلہ ختم کرو، اگر چاند نہ دکھے تو شعبان کو تیس دن کا مانو''۔

ابوبکر جصاص کی رائے میں ان احادیث کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ '' شهود الشهر '' سے مراد آنکھ کی رویت ہے، لیکن انہوں نے یہ بات علی الاطلاق نہیں کہی ہے کہ سورۂ بقرہ کی آیت میں '' شهد '' کا مطلب صرف یہی ہے، یعنی انہوں نے صرف آنکھ کی رویت کو ہی علی

الاطلاق صحیح تفسیر نہیں کہا ہے، آیت کے فہم اور ''شہودِ شہر'' کی کیفیت کی بابت یہ ان کی رائے ہے، یہ آیت کی تفسیر نہیں ہے، اور اگر بالفرض یہ تفسیر ہے بھی تو یہ اس آیت کے معنیٰ کے سلسلے میں وارد دیگر تفاسیر کے مخالف ہے، جصاص نے خود بہت سے دیگر مقامات میں یہ کہا ہے کہ ''شہودٗ'' سے مراد حاضر وموجود ہونا ہے:

''ارشاد باری ''فمن شهد منكم الشهر'' کے دو معانی ممکن ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ جو شخص مقیم ہو مسافر نہ ہو'' (۱)

مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''فمن شهد منكم الشهر'' کے ایک اور معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ جس شخص کو رمضان آنے کا علم ہو جائے، اور ایک احتمال یہ ہے کہ جو مکلّف ہونے کی حالت میں اس میں حاضر ہو، اس لئے کہ مجنون اور غیر مکلّف لوگ عدم فرضیت میں ان لوگوں کے حکم میں ہیں جو موجود نہیں تھے، اس لئے ''شهود الشهر'' سے مراد مکلّف ہونا ہے'' (۲)

جصاص نے لفظ شهود کے تینوں معانی اور ان سے حاصل ہونے والے احکام کو اس عبارت میں بیان کیا ہے:

''ارشاد ربانی: فمن شهد منكم الشهر سے مستفاد احکام: جو مہینہ میں ''شاهد'' ہو اس پر رمضان کے روزوں کی فرضیت، ''شهودِ شهر'' کے تین پہلو ہیں: اس کا علم، اس معنی میں اس لفظ کو استعمال کرتے ہوئے کہا جاتا ہے: ''شاهدتُ كذا و كذا''، حضر میں مقیم ہونا، اس معنی میں اس لفظ کو استعمال کرتے ہوئے کہا جاتا ہے: ''مقيم ومسافر وشاهد وغائب'' اور جیسا کہ ہم نے ذکر کیا مکلّف ہونا'' (۳)

(۱) جصاص، احکام القرآن، ۱/۴۵۶

(۲) حوالۂ بالا

(۱) حوالۂ بالا، ۱/۴۹۶



اسی لئے ہمیں جصاص وغیرہ کی اس رائے کو جو مہینہ کے اثبات کے لئے رویت ہلال کا مطالبہ کرتی ہے مذکورہ معانی کے سیاق میں سمجھنا چاہیے، ان کے جملہ: ''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رویتِ ہلال شهود الشهر ہے'' کو اسی سیاق میں سمجھنا چاہئے۔(۱)

اسی طرح ابن عربی کی اس عبارت کو بھی اسی سیاق میں سمجھنا چاہئے: ''ارشاد باری: فمن شهد منكم الشهر فليصمه'' کے معنی مہینہ کے مشاہدہ کے ہیں، اور مہینہ کا مشاہدہ رویتِ ہلال ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''چاند دیکھ کر روزے رکھو اور چاند دیکھ کر روزوں کا سلسلہ ختم کرو''، بعض متقدمین کا یہ قول غلط ہے کہ منازل قمر کے حساب واندازہ پر اعتماد کیا جائے، تا کہ اس کے ذریعہ یہ معلوم ہو سکے کہ اگر مطلع صاف ہوتا تو چاند ضرور دکھتا، اس لئے کہ ارشاد نبوی: ''فان غم عليكم فاقدروا له'' کے معنی محققین کے نزدیک مقدار (تیس) کی تکمیل ہے، اسی لئے ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا: ''اگر تمہیں چاند نہ دکھے تو شعبان کو تیس دن کا مانو'' اور ایک روایت میں ہے کہ: ''اگر چاند نہ دکھے تو تیس تاریخ کو روزہ رکھو پھر عید الفطر کرو، یہ بخاری ومسلم کی روایت ہے، ہمارے بعض علما کا یہ بیان بھی غلط ہے کہ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ حساب پر اعتماد کیا جائے گا، امام موصوف کی جانب یہ نسبت سنگین غلطی ہے''۔(۲)

اپنی بحث کے اس حصہ کو ہم مالکی امام ومجتہد ابو العباس شہاب الدین قرافیؒ کے اس کلام پر ختم کرتے ہیں:

''آیتِ قرآنی ''فمن شهد منكم الشهر فليصمه'' میں اس مطلوب پر کوئی دلیل نہیں ہے، ابوعلیؒ نے کہا: اس لئے کہ ''شهد'' کے تین معنی ہیں، ۱۔حاضر ہونا، جیسے شهدنا صلاة العيد، شهد بدراً وغیرہ میں، ۲۔خبر دینا، مثلاً شهد عند الحاكم (حاکم کو اپنی معلومات

(۱) حوالۂ بالا، ۱/۴۹۸

(۲) ابن العربی، احکام القرآن، ۱/۱۵۲

کی خبر دینا)، ۳۔بمعنیٰ جاننا، جیسے: ''واللہ علیٰ کل شیءٍ شھید''یعنی اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔زیر غور آیت میں وہ حاضر ہونے کے معنی میں ہے، آیت کی تقدیر یہ ہے کہ تم میں سے جو شخص اس مہینہ میں مقیم ہو(مسافر نہ ہو) وہ اس کے روزے رکھے، مسافر سے احتراز اس لئے کیا گیا کہ اس پر روزہ فرض نہیں ہوتا ہے، جب شھد حاضر ہونے کے معنیٰ میں ہے مشاہدہ کرنے یا دیکھنے کے معنیٰ میں نہیں ہے تو اس میں اعتبار رویت یا اعتبار حساب کی کوئی دلیل نہیں ہوگی، اس لئے کہ مہینہ میں حاضر ہونا رویت یا حساب کے ذریعہ ثابت ہونے سے زیادہ عام ہے''۔(۱)

## چاند کے''مواقیت للناس''ہونے سے جمہور کے استدلال کا جائزہ:

مثلاً جصاص کی رائے ہے کہ یہ قرآنی آیت چاند کی رویت سے روزوں کی فرضیت سے متعلق ہے:''یسئلونک عن الأھلة قل ھی مواقیت للناس والحج''(ترجمہ:لوگ آپ سے ہلالوں کی بابت پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے کہ وہ لوگوں کے لیے اور حج کے لیے اوقات کی تعیین کا ذریعہ ہیں)، اس میں اللہ نے روزے کی فرضیت کو رویت ہلال پر معلق کیا ہے''۔(۲)

جمہور کے اس استدلال کا حاصل یہ ہے کہ چاند آنکھوں سے نظر آنے والی ایک چیز ہے، رمضان کے آغاز کے لئے اس کی رویت لازمی ہے۔

لیکن ہمارا کہنا یہ ہے کہ صرف رویت ہی مہینوں کے آغاز کو ثابت کرنے والی چیز نہیں ہے۔

اس آیت کے سبب نزول کے سلسلے میں آلوسی کہتے ہیں: ابن عساکر نے ضعیف سند سے نقل کیا ہے کہ معاذ بن جبل اور ثعلبہ بن غنم نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! اس کا کیا سبب ہے کہ چاند پہلے باریک دھاگے کی مانند نظر آتا ہے، پھر بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ پورا گول ہوجاتا

(۱) قرافی، الفروق، ۴/۱۳۹، ۱۴۰

(۲) جصاص، احکام القرآن، ۱/۱۹۹



ہے، پھر وہ کم ہونا شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ پھر اپنی ابتدائی حالت جیسا ہوجاتا ہے، ایک حالت پر نہیں رہتا ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی، ایک روایت میں ہے کہ حضرت معاذ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ یہودی ہم سے چاند کی بابت بہت پوچھتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

آلوسی نے لفظ''ھلال'' کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:''اُھلة، ھلال کی جمع ہے، اور استھل الصبی سے مشتق ہے، جس کے معنیٰ بچہ کا بعد از ولادت پہلی مرتبہ رونا ہے، اسی سے استعمال ہوتا ہے: أھل القوم بالحج یعنی بلند آواز میں''تلبیہ'' کہنا، ھلال کے سلسلے میں مختلف اقوال ہیں، بعض حضرات اس کے معنیٰ مہینہ کے ابتدائی دو دنوں کے چاند بتاتے ہیں، بعض تین دنوں کے چاند کو کہتے ہیں، اور بعض اس وقت تک کے چاند کو کہتے ہیں جب تک اس کے گرد ہالہ نہ بن جائے، یہ رائے اصمعی کی ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد اس دن تک کا چاند ہے جس دن اس کی روشنی تاریک رات کو روشن کردے، بعض حضرات نے کہا ہے کہا ایسا ساتویں شب کو ہوتا ہے، یہ نام اس لئے ہے کہ لوگ اس کو دیکھ کر زور زور سے اس کے نکلنے کا اعلان کرنے لگتے ہیں اور تکبیر کہنے لگتے ہیں، اسی لئے اُھل اور استھل استعمال ہوتا ہے ھَلَّ نہیں۔(۱)

لفظ''ھلال'' کو ابتدائی دو یا تین دن کا چاند کہنے کی بنیاد عرف ہے، یہ کوئی کلمہ کے مادہ پر اعتماد کرتے ہوئے صحیح لغوی تعریف نہیں ہے، اس کے اصل لغوی معنیٰ کی بنیاد روشنی یا رویت پر نہیں ہے، محمد بن یعقوب فیروزآبادی لکھتے ہیں:

''مہینہ کی ابتدا کے دو، یا تین یا سات دنوں اور آخر کے دو دنوں یعنی ۲۶ ویں اور ۲۷ ویں شب کے چاند کو ھلال کہتے ہیں، اور دیگر دنوں کے چاند کو''قمر'' کہتے ہیں، اسی طرح اس کے یہ معانی بھی آتے ہیں: تھوڑا پانی، نیزہ، سانپ یا مردسانپ، اس کی کینچلی، کمزور اونٹ، غبار،

(۱) آلوسی، روح المعانی، ۲/۱۴۲

خوبصورت لڑکا، تلے اوپر رکھے ہوئے پتھر، بارش کی بوچھار، جمع أهلة وأهاليل''۔(۱)

''ھلال''مادہ''ھلل'' سے مشتق ہے، جیسا کہ ابن منظور نے لکھا ہے، ھلل: هل السحاب بالمطر، وهل المطر هلاً، وانهل بالمطر انهلالا اوراستهل: تیز بارش ہونا، حدیثِ استسقا میں ہے:''أَلَّفَ اللهُ السحاب وهلَّتْنا''اللہ نے بادل جمع کئے اور تیز بارش ہوئی، ابن اثیر نے لکھا ہے کہ یہ الفاظ مسلم کی ایک روایت کے ہیں، هل السحاب کا مطلب ہے تیز بارش ہونا''ھلال''بارش کی بوچھار کو کہتے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ وہ پہلی بارش کو کہتے ہیں، اس کی جمع قیاسی أهلة ہے، أهاليل بھی جمع آتی ہے لیکن نادر۔ انهلّ المطر، انهلال تیزی کے ساتھ بارش ہونا، استهلت السماء یعنی پہلی بارش ہونا، اس سے اسم''ھلال''ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ هل السحاب آواز کے ساتھ بوندیں پڑنے کو کہتے ہیں، أهل الله السحاب: اللہ نے بادل سے پانی برسایا، اسی سے انهلال الدمع (آنسو بہنا) اور انهلال المطر (بارش برسنا) ہے، ابونصر نے أهاليل کے معنی''بارشیں''بتائے ہیں(۲)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مادہ''ھل''کے اندر دو معانی پائے جاتے ہیں: ۱۔کسی چیز کا آغاز، ۲۔آواز بلند کرنا۔

ابن منظور کہتے ہیں:

''انهلت السماء: تیز بارش ہونا، استهلت السماء: آواز کے ساتھ بارش ہونا، ''استهلال الصبی''(بعد از ولادت بچے کا پہلی بار رونا)، نابغہ الجعدی کی حدیث میں ہے: ''فنيّف على المائة وكأنّ فاه البرد المنهل''(وہ سو سال سے زائد مدت زندہ رہے، اور ان کے دانت برسے ہوئے اولوں کے مثل تھے)، ہر چیز کے بہنے پر انهل کا لفظ استعمال ہوتا ہے،

(۱) حوالۂ بالا

(۲) ابن منظور، لسان العرب، ۱۱/۷۰۱



انهل السماء بالمطر ينهل ، انهلالاً: تیز بارش ہونا، اسی معنی میں آتا ہے: هلّ السماء بالمطر هلَلاً، اور بارش کو هَلَل اور أهلول کہتے ہیں، هَلَل: پہلی بارش، کہا جاتا ہے: استهلت السماء: یعنی پہلی بارش ہونا، اس کے معنی بارش کا آواز کے ساتھ ہونا بھی بتائے جاتے ہیں، استهل الصبی بالبكاء: ولادت کے وقت بچہ کا بلند آواز سے رونا، کسی بھی چیز کی آواز بلند ہونے پر استهلَّ استعمال ہوتا ہے، أهَلَّ بالحج: بلند آواز میں تلبیہ پڑھنا، کسی بھی شخص کے ذریعہ بلند آواز یا پست آواز میں بولنے کے لئے أهَلَّ اور استهل استعمال ہوتا ہے، حدیث نبوی میں آتا ہے:''الصبيُّ اذا ولد لم يورثُ ولم يرث حتّٰى يستهل صارخاً''(بچہ اگر پیدا ہونے کے بعد آواز نہ نکالے تو وہ نہ وارث ہوتا ہے نہ مورث)، حدیث جنین میں ہے:''كيف ندى من لا أكل ولا شرب ولا استهل''(۱)(اور جس نے نہ کچھ کھایا، نہ کچھ پیا اور نہ وہ بولا اس کی دیت ہم کیسے دے دیں)۔

یعنی یہ لفظ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب بارش تیز آواز کے ساتھ ہو، انسان بلند آواز میں بولے یا بچہ بلند آواز سے روئے، یہ تمام استعمالات ایک ہی بنیادی معنی کی طرف اشارہ کرتے ہیں، لفظ کے یہ لغوی معنیٰ متعدد احادیث میں ملتے ہیں۔

''اس کے اصل معنی بلند آواز کے ہیں، أهل الرجل واستهل: بلند آواز سے بولنا، أهل المعتمر: عمرہ کرنے والے کا بلند آواز میں تلبیہ پڑھنا، متعدد احادیث میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے، اور اس سے مراد بلند آواز میں تلبیہ پڑھنا ہے، أهل المحرم بالحج، يُهل ، اهلالاً: بلند آواز سے تلبیہ پڑھنا، المُهَلّ: تلبیہ پڑھنے کی جگہ، یعنی وہ میقات جہاں سے عازمین احرام باندتے ہیں، یہ لفظ بطور مصدر زمانہ کے معنی بھی دیتا ہے، محرم جب اپنے اوپر حرام کی پابندی لگاتا ہے تو اس کے لئے کہتے ہیں: المحرم يُهل بالاحرام، أهلَّ بحجةٍ أو بعمرة: حج یا عمرہ کا

(۱) حوالۂ بالا: ۱۱/۷۰۱

احرام باندھا، احرام باندھنے کو اھلال اس لئے کہتے ہیں کہ اس وقت محرم بلند آواز میں تلبیہ پڑھتا ہے، اھلال تلبیہ کو بھی کہتے ہیں، اھلال کے اصل معنی بلند آواز میں بولنے کے ہیں، بلند آواز کے ساتھ بولنے والا ہر شخص مُہِل ہے''(۱)

ابن منظور نے یہ بات واضح کردی ہے کہ لفظ ھلال کے اصل معنی آواز بلند کرنے کے ہیں، اور بلند آواز میں بولنے والے کے لئے یہ فعل استعمال ہوتا ہے، ہر چیز جس کی آواز بلند ہو ہم اسے ''مھلل'' کہہ سکتے ہیں، ابن منظور اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ لفظ کے اصل معنی بلند آواز کے ہیں، تحریر کرتے ہیں: ''ابوالعباس نے کہا: ''ھلال'' کو ھلال اس لئے کہتے ہیں کہ لوگ اس کی خبر بلند آواز میں دیتے ہیں''(۲)

ابوحیان اندلسی کہتے ہیں: ''ھلال اس لئے کہتے ہیں کہ اس کو دیکھ کر آوازیں بلند ہوجاتی ہیں، اور یہ لفظ استھل الصبی (بچہ کا بلند آواز سے رونا) اور اھلال بالحج (بلند آواز سے تلبیہ پڑھنا) سے ماخوذ ہے، یا اس لئے ہے کہ لوگ اس کو دیکھ کر بلند آواز میں باتیں کرتے ہیں۔(۳)

جاراللہ زمخشری لکھتے ہیں: ''أھلوا الھلال، استھلوہ: چاند دیکھ کر بلند آواز سے گفتگو کرنا، أھل الھلال واستھلَّ: چاند دیکھنا، أھل الصبیُّ واستھل: بلند آواز سے رونا، انھلت السماء بالمطر واستھلت: بارش کا آواز کے ساتھ ہونا تھلَّلَ السحاب بالبرق: بادل میں بجلی چمکنا''۔(۴)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: ''ایسا اس لئے ہے کہ چاند آنکھوں سے دکھائی دینے

(۱) حوالۂ بالا: ۱۱/۷۰۱

(۲) حوالۂ بالا: ۱۱/۷۰۱

(۳) ابوحیان، البحر المحیط، بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، ۲/۲۱۵

(۴) زمخشری، أساس البلاغۃ، بیروت: دار الفکر، ۲/۴۔



والی چیز ہے، اور صحیح تر معلومات وہ ہوتی ہیں جن کا مشاہدہ آنکھ سے کیا جائے، اسی لئے اس کو ھلال کہتے ہیں، اس لئے کہ یہ مادہ ظہور ووضاحت کو کہتے ہیں، خواہ یہ دیکھنے کے ذریعہ ہو یا سننے کے ذریعہ، جیسے أھل بالعمرۃ اور أھل بالذبیحۃ لغیر اللہ میں اس لفظ کے معنی ہیں بلند آواز میں بولنا، بارش کے گرنے کو بھی ''ھلل'' کہتے ہیں، کہا جاتا ہے:

استھل الجنین: جب وہ چیختا ہوا باہر آئے، تھلل وجھہ: چہرہ روشن ہونا، کہا جاتا ہے کہ اس کے اصل معنی بلند آواز کرنے کے ہیں، چونکہ لوگ چاند کو دیکھ کر بلند آواز میں نکالتے ہیں اسی لئے اسے ''ھلال'' کہنے لگے۔(۱)

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں: طبریؒ نے کہا ہے کہ یہاں ''اھلال'' کے معنی بلند آواز سے تلبیہ پڑھنے کے ہیں، بلند آواز میں کچھ بھی بات کرنے والے کو ''مھل بہ'' کہتے ہیں، ''أھل القومُ الھلال'' بھی میرے نزدیک اسی معنی میں ہے، اس لئے کہ لوگ اسے دیکھ کر اپنی آوازیں بلند کرتے ہیں''(۲)۔

اس طرح یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ لفظ ''ھلال'' کے اصل معنی کسی چیز کے ظہور کی اوّلین علامت نیز آواز کی بلندی کے ہیں، اس کا کوئی تعلق نئے چاند کی روشنی اور چمک سے نہیں ہے، نئے چاند کو ''ھلال'' اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ چاند کی پیدائش کی اولین علامت ہے، نیز اس کو دیکھ کر لوگ دوسروں کو بلند آواز میں اس کی اطلاع دیتے ہیں، پہلے زمانہ میں سوائے آنکھ کی رویت کے اس کا کوئی طریقہ ممکن نہیں تھا، اسی لئے لوگ اس کو ایک مرئی شی سمجھتے تھے نہ کہ معلوم شی، ہم نے ''ھلال'' کے جو معنی اوپر ذکر کر کئے ہیں ان ہی کی وجہ سے یہ نام پیدائش کے بعد ابتدائی دنوں کے چاند کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور اگر چاند کے روشن ہونے

(۱) ابن تیمیۃ: مجموع الفتاوی، ۶/۶۹

(۲) ابن حجر، فتح الباری، ۵/۱۹۳

کی وجہ سے یہ نام اس کا ہوتا تو پھر تو یہ نام چودھویں کے چاند کا ہونا چاہئے تھا اس لئے کہ وہ زیادہ روشن اور ظاہر ہوتا ہے۔

عرف کے نتیجہ میں وجود میں آنے والی تعریف زمانہ وعرف کی تبدیلی سے بدل جاتی ہے، جیسے فقہا کہتے ہیں:

''وہ احکام جو زمانہ کی تبدیلی سے تبدیل ہوجاتے ہیں وہ درحقیقت عرف وعادت پر مبنی احکام ہوتے ہیں، اس لئے کہ زمانوں کی تبدیلی سے لوگوں کی ضرورتیں بدل جاتی ہیں اس تبدیلی کی بنا پر عرف وعادت بھی تبدیل ہوجاتا ہے، برخلاف شرعی دلائل پر مبنی ان احکام کے جن کی بنیاد عرف وعادت پر نہیں ہوتی ہے، وہ تبدیل نہیں ہوتے ہیں''۔(۱)

آفندی مزید لکھتے ہیں: ''امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں: اگر نص وعرف میں تعارض ہوتو دیکھا جائے گا کہ نص عرف وعادت پر مبنی ہے یا نہیں، اگر ایسا ہوتو عرف کو ترجیح دی جائے گی اور نص کے ظاہر کو ترک کردیا جائے گا''۔(۲)

لہٰذا ہم اس نئے چاند کو بھی ''ھلال'' کہہ سکتے ہیں جو پیدا ہوگیا ہو لیکن ابھی اس میں روشنی نہ آئی ہو، اگر ہم فلکی حسابات کے ذریعہ چاند کی تعیین کرسکتے ہوں اور پھر لوگوں کو اس کی اطلاع دی جائے اور وہ بآواز بلند اس کی بابت گفتگو کریں تو ہم اس کو بھی ''ھلال'' کہہ سکتے ہیں۔

## رویتِ ہلال کے وقت کی مسنون دعاؤں کی بنیاد ضعیف احادیث ہیں:

آنکھ کی رویت پر اصرار کرنے والے بعض علما نے ان احادیث نبویہ سے بھی استدلال کیا ہے جن میں رویت ہلال کی کچھ دعائیں وارد ہوئی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ رویت ہلال کے وقت

(۱) حیدر علی، درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام، تحقیق: فہمی حسینی، بیروت دار الکتب العلمیۃ، ۱/۷

(۲) حوالۂ بالا



ان دعاؤں کو پڑھنے کی ہدایتِ نبوی اس بات کی دلیل ہے کہ آنکھ کی رویت اسلامی مہینوں کے آغاز کے لئے ضروری ہے، لیکن جب ہم ان احادیث کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ ضعیف ہیں ان پر واجب شرعی احکام کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی ہے۔

''قتادہ نے بتایا کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ آپؐ جب نیا چاند دیکھتے تو فرماتے:'' ھلال خیرورشد، ھلال خیر ورشد ، ھلال خیرورشد، آمنت بالذی خلقک ''(تین مرتبہ) پھر کہتے الحمدالله الذی ذھب بشھر کذا و جاء بشھر کذا: (تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے فلاں مہینہ مکمل کیا، اور فلاں مہینہ کا آغاز کیا) (۱)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چاند دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے:'' اللھم أھلہ علینا بالیمن والایمان والسلامۃ والاسلام ربی وربک الله'' (اے اللہ اس چاند کے نکلنے کو ہمارے لئے برکت، ایمان، سلامتی اور اسلام کا ذریعہ بنا، میرا اور تمہارا رب اللہ ہے)۔(۲)

امام ابوداؤدؒ نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چاند دیکھ لیتے تو اس سے چہرا پھیر لیتے''۔(۳)

پھر امام ابوداؤدؒ نے لکھا ہے: ''اس سلسلے میں آپؐ سے کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے''۔(۴)

ابن العربی لکھتے ہیں:

''امام ابوداؤدؒ اور دیگر حضرات نے حضرت قتادہ سے بلاغاً دو معارض حدیثیں روایت کی ہیں، ایک یہ کہ آپؐ جب چاند دیکھ لیتے تو اس سے چہرا پھیر لیتے'' اور دوسری یہ کہ آپؐ چاند

(۱) سنن ابوداود: ۱۳/۲۸۶

(۲) مسند احمد: ۳/۳۳۲

(۳) سنن ابوداود: ۱۳/۹۵

(۴) سنن ابوداود: ۱۳/۴۳۶

دیکھ کر تین مرتبہ یہ کلمات پڑھتے: ''ھلال خیرورشد آمنت بالذی خلقک'' اور پھر کہتے'' الحمدللہ الذی ذھب بشھر کذاوجاء بشھر کذا'' قاضیؒ کہتے ہیں: میں نے اس حدیث کو دیکھا تو اس میں کچھ مزانہ پایا، ہمیں مبارک بن عبدالجبار نے بتایا، انہیں محمد بن بشار نے بتایا، انہیں ابوعامر عقدی نے بتایا، انہیں سلیمان بن سفیان مدنی نے بتایا، انہیں بلال بن یحییٰ بن طلحہ بن عبیداللہ نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چاند دیکھتے تو کہتے'' اللھم اھلّہ علینا بالیمن والایمان والسلامۃ والاسلام'' (اے اللہ چاند کے نکلنے کو ہمارے لئے برکت، ایمان، سلامتی اور اسلام کا ذریعہ بنا) ابن سورہ نے اسے ''حسن غریب'' کہا ہے''(۱)

ملاعلی قاری نے لکھا ہے: ''اسے ترمذی نے روایت کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ حسن غریب ہے''(۲)۔

جہاں تک رویت ہلال کے وقت کی نبوی دعاؤں کی بات ہے، تو ان احادیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مہینہ کا آغاز صرف رویت سے مربوط ہے، اس لئے کہ ہم ایسا کر سکتے ہیں کہ مہینہ کا آغاز چاند کی پیدائش کے وقت سے مانیں اور یہ دعائیں چاند نظر آنے پر (خواہ اگلے ہی دن کیوں نہیں) پڑھ لیں، پھر یہ احادیث ضعیف ہیں، جن کا اعتبار بقول بعض علما فضائل اعمال میں ہی کیا جا سکتا ہے، اس لئے ہم یہ دعائیں چاند کی اوّلین رویت کے وقت پڑھ سکتے ہیں۔

## آیت اہلہ کے نزول کا سبب:

جس طرح رویت ہلال کے سلسلہ میں احادیثِ نبویہ میں وارد دعاؤں کی بابت ہم نے

(۱) ابن العربی، احکام القرآن، ۱/۱۵۹

(۲) مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: ملاعلی قاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح، بیروت: دارالفکر، ۵/۲۸۲۔



اوپر لکھا کہ ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ رویت ہی آغازِ مہینہ کا تنہا شرعی سبب ہے، یہی حال آیتِ اہلہ کا ہے:

آیت اہلہ کے سبب نزول کی بابت ایک رائے یہ ہے کہ: ''آغازِ اسلام میں احرام باندھنے والا شخص اگر کسی شہر میں رہنے والا ہوتا تو اپنے گھر کی پچھلی دیوار میں ایک سوراخ کر لیتا اور اسی سے باہر آنا جانا کرتا، یا پھر سیڑھی لگا کر گھر کی چھت پر چڑھتا اور وہاں سے باہر اترتا، اور اگر خانہ بدوش قسم کا ہوتا تو اپنے خیمے کے پیچھے سے نکلتا، تو ان سے کہا گیا کہ دروازہ سے نہ نکلنا کوئی نیکی نہیں، بلکہ نیکی تو تقوے والے (کا عمل) ہے''۔(۱)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ: ''زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی احرام باندھتا تو اپنے گھر یا خیمہ کے پیچھے کے حصہ میں سوراخ کر لیتا، اور اس سے ہی باہر آتا جاتا تھا، صرف حمس قبیلے ایسا نہیں کرتے تھے، اور وہ یہ ہیں: قریش، کنانہ، خزاعہ، ثقیف، خیثم، بنوعامر بن صعصعہ اور بنونضر بن معاویہ، ان لوگوں کو حمس اس لئے کہتے تھے کہ وہ اپنے دین کے معاملہ میں بہت سخت تھے، یہ جب احرام باندھتے تو اپنے گھر میں کسی بھی طرح داخل نہیں ہوتے تھے، اور نہ خیموں کے اندر داخل ہوتے، اور گھی وپنیر بھی نہیں کھاتے تھے، آپؐ نے اور ایک اور شخص نے احرام باندھا، آپؐ حالت احرام میں ایک اجڑے باغ کے دروازے سے اندر داخل ہوئے، محرم شخص نے آپؐ کو اس حال میں دیکھا تو وہ بھی آپ کے پیچھے پیچھے اس میں داخل ہوا، آپؐ نے فرمایا: مجھ سے دور رہو، اس نے کہا: کیوں یارسول اللہ! آپؐ نے فرمایا: اس لئے کہ تم حالتِ احرام میں دروازہ میں داخل ہوئے یہ شخص رک گیا اور بولا: میں آپ کی سنت اور آپ کے طریقہ کو پسند کرتا ہوں، میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ حالت احرام میں اس دروازہ سے داخل ہوئے ہیں تو میں بھی داخل ہو گیا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور انہیں بتایا کہ احرام کے سلسلہ میں یہ سختی کوئی نیکی

(۱) رازی، مفاتیح الغیب، ۳/۱۳۹

نہیں ہے، بلکہ نیکی تو یہ ہے کہ انسان اللہ کے حکموں کی خلاف ورزی سے بچے اور جاہلیت کے طریقہ کو چھوڑ دے، فرمایا: ''واتوا البیوت من ابوابھا'' (اور گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو) اس آیت کا سببِ نزول یہ بتایا جاتا ہے''۔(۱)

آیت کے سیاق سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ اوقات حج کی تبدیلی، حج کو دوسرے مہینوں میں کرنے اور گھروں میں پشت سے داخل ہونے کا زیادہ اہتمام کرنے پر انہیں تنبیہ کر رہا ہے، اور بتا رہا ہے کہ یہ کام کوئی نیکی کا کام نہیں ہے، اور اس کا اعمالِ حج سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا ان سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ حج اسی وقت کریں جب اللہ نے ان پر حج فرض کیا ہے، اور مہینوں میں (چاند کے اعتبار پر توجہ نہ دے کر) ریاضی کے حسابوں کی مدد سے کوئی تبدیلی نہ کریں، اللہ نے مہینوں کے آغاز واختتام کے سلسلے میں اصلی اوقات کا اعتبار کرنے کا انہیں حکم دیا، اس سلسلہ میں ان چاندوں کا اعتبار کرنے کا حکم دیا جن کے اعتبار کو اللہ نے فرض کیا ہے، نہ کہ اپنے دنیوی مصالح (مثلاً تجارت وجنگ کے زمانوں/اوقات) کا اعتبار کرنے کا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مہینوں بالخصوص حج کے مہینہ کا چاندوں سے ربط اور گھروں میں پشت کی جانب سے داخل ہونے سے بچنا اہم ہے۔

امام ابوعبداللہ قرطبی کہتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے صرف حج کا ذکر اس لئے فرمایا ہے کہ اس کے لئے وقت کے علم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور مہینوں کو آگے بڑھانا جائز نہیں ہے، جب کہ اہل عرب مہینوں میں تبدیلی کر کے حج کیا کرتے تھے، اللہ نے ان کے اس نظریہ اور عمل کو غلط قرار دیا'' (۲)

رازی کہتے ہیں:

(۱) حوالۂ بالا: ۱۴۰/۳

(۲) قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۳۴۱/۲



''گویا کہ انہوں نے چاندوں کے حالات میں تبدیلی کی حکمت دریافت کی تو ان سے کہا گیا: اس بات کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے لہذا اس کی بابت سوال چھوڑ و، اور وہ بات کرو جس کی بابت تحقیق تمہارے لئے زیادہ اہم ہے، تم سمجھتے ہو کہ گھروں میں پشت سے داخل ہونا کوئی نیکی ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے''۔(۱)

☆☆☆

(۱) رازی، مفاتیح الغیب، ۱۴۰/۳

## باب دوم:

# حدیثی دلائل کا جائزہ

اوّل: احادیثِ نبویہ میں نئے چاند کے لئے آنکھ کی رویت کا مطالبہ اس کی بابت صحیح علم کے ایک وسیلہ کے طور پر ہے، بذاتِ خود روزہ کی عبادت کی ایک شرط کے طور پر نہیں ہے، یہ بات صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھ کی رویت کا حکم دیا تھا، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس وقت نئے چاند کی پیدائش کو جاننے کا یہی ایک دستیاب وسیلہ تھا، یعنی رویت نئے چاند کے آغاز کی ایک علامت ہے، یہی وہ بات ہے جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا تھا: ''نحن امة ابیه لا نکتب و لانحسب'' (ہم امی امت ہیں، نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں) مہینہ کبھی انتیس روز کا ہوتا ہے اور کبھی تیس روز کا، عبادت وقت کے ساتھ مربوط ہے، اور اسلام میں وقت جیسا کہ ہم جانتے ہیں چاند کے ساتھ مربوط ہے نہ کہ سورج کے ساتھ، یعنی اسلامی کیلنڈر قمری کیلنڈر ہے، شمسی کیلنڈر نہیں ہے، شریعت کا ہم سے مطالبہ یہ نہیں ہے کہ ہم ماہ رمضان کے آغاز سے پہلے ہی روزے شروع کردیں، اسی طرح اسلام یہ بھی نہیں چاہتا کہ ہم مسلمان رمضان کے آخری دن عید منا کر ایک روزہ ضائع کریں، اسی لئے شریعت نے ہم کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم رمضان سے ایک دو دن پہلے سے روزوں کا آغاز نہ کریں اور ماہ رمضان کے اختتام سے ایک دو دن پہلے ہی روزوں کا سلسلہ ترک نہ کردیں، اسی طرح اسلام یہ چاہتا ہے کہ ہم رمضان کے روزوں کا آغاز مہینہ کی شروعات کا یقین ہوجانے پر ہی کریں اور روزوں کا اختتام مہینہ کے اختتام کا یقین ہوجانے پر ہی کریں، ماضی میں آغاز واختتام مہینہ کے تئیں اطمینان ویقین کرنے کا تنہا دستیاب وسیلہ آنکھ کی رویت ہی تھا، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاضی



کے ان حسابات کے استعمال سے منع فرمایا ہے جن کے ذریعہ قمری کیلنڈر شمسی کیلنڈر بن جاتا ہے، آپ ؐ نے یہ حکم دے کر وقت کو اس کی اصل پر واپس کردیا کہ: ''چاند دیکھ کر روزوں کا آغاز اور چاند دیکھ کر روزوں کا اختتام کرو''۔

اسی لئے آپ ؐ نے نئے چاند کی رویت کا مؤکد حکم دیا تھا، یہ حکم اس لئے نہیں تھا کہ رویت فی نفسہ روزہ کے لئے شرط یا بذاتِ خود عبادت ہے، بلکہ اس لئے تھا کہ وہ نئے چاند کی ولادت کے تئیں اطمینان ویقین یعنی فرض عبادت کی معرفت کا ایک وسیلہ تھی، لیکن اب جب کہ فرض عبادت کے وقت کو جاننے کا زیادہ صحیح طریقہ دستیاب ہے تو آنکھ کی رویت کی جگہ اس کے استعمال سے ہم زیادہ صحیح طور پر مہینہ کے آغاز واختتام کو جان سکیں گے، اور ایسا کرنا احادیث نبویہ کی مخالفت نہیں اس کی تکمیل ہوگی۔

دوم: اگر آنکھ کی رویت بذات خود فرض ومطلوب ہوتی، اور آغازِ مہینہ کی تحدید صرف اسی کے ذریعہ ہوتی تو پھر تو تیسویں شعبان کو بھی اس کو دیکھنے کی کوشش لازم ہوتی، لیکن شعبان کی تیس تاریخ کو تو کوئی بھی چاند دیکھنے کے لئے نہیں نکلتا ہے، اور کسی بھی فقیہ کی یہ رائے نہیں ہیں، اس لئے کہ رویت صرف مہینہ کو صحیح دن سے شروع کرنے کے لئے ہی مطلوب ہے، وہ بذات خود مطلوب نہیں ہے، اسی لیے جب تیس دنوں کی تکمیل سے مہینوں کا صحیح دن آغاز واختتام یقینی ہو (کہ قمری مہینہ اسلام میں اس سے زیادہ دنوں کا نہیں ہوسکتا ہے) تو پھر رویت کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی، اور مہینہ کے آغاز میں اس کا کوئی کردار نہیں رہتا، اس لئے کہ سب لوگ جانتے ہیں کہ نئے چاند کی بہرحال ولادت ہوگئی، اور شعبان کے تیس دن ہونے پر وہ یقیناً افق میں ہوگا، ایسی صورت میں کوئی بھی آنکھ سے چاند کی روایت کے بارے میں کسی طرح کی کوشش نہیں کرتا ہے، اسی لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ماہ رمضان کے روزوں کے لئے رویت نہ شرعی سبب ہے اور نہ بذاتِ خود مطلوب ہے، وہ تو افق میں نئے چاند کے وجود کی تعیین کے سلسلے میں حتی الامکان صحت

کے اطمینان کا ایک وسیلہ ہے۔

شرعی سبب عبدالکریم زیدان کے الفاظ میں ''وہ ہے جسے شارع نے کسی حکم شرعی کا پتہ دینے والا بنایا ہو کہ اس کے وجود پر حکم پایا جائے اور اس کے عدم وجود پر حکم بھی نہ پایا جائے''۔(۱)

اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے یہ بات وضاحت کے ساتھ بیان کی ہے کہ روزوں کا سبب مہینہ کا آغاز ہے: ''فمن شهد منكم الشهر'' (تو جو کوئی تم میں سے مہینہ میں موجود ہو)، یہاں تک کہ جو لوگ رویتِ ہلال کو رمضان کے روزوں کی فرضیت کا سبب شرعی مانتے ہیں وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ رمضان کے روزوں کا اصل سبب ماہ رمضان کا آغاز ہے، اور رویت اس سبب کو جاننے کا وسیلہ ہے، جیسا کہ امام نوویؒ نے فرمایا ہے: ''رمضان کے روزے رمضان کے آغاز پر ہی فرض ہوتے ہیں اور اس کے آغاز کا علم رویتِ ہلال سے ہوتا ہے'' (۲)۔ اگر رویت سبب ہوتی تو سبب ہمیشہ سبب رہتا ہے جیسا کہ امام شاطبیؒ نے فرمایا ہے: ''جو سبب ثابت ہو جائے وہ ہمیشہ سبب رہے گا، اس کی سببیت کبھی ختم نہیں ہوگی''۔(۳)

اگر درحقیقت رویت ہی روزوں کی فرضیت کا شرعی سبب ہوتی تو وہ انتیس شعبان کی طرح تیس شعبان کو بھی سبب ہوتی، لیکن ہم جانتے ہیں کہ اگر ۲۹ شعبان کو چاند نہیں دکھتا ہے تو کوئی بھی تیس تاریخ کے دن رویت کے اہتمام کو فرض قرار نہیں دیتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مہینہ کے آغاز کا صحیح علم ہی سبب ہے، یہی وجہ ہے کہ جب ۲۹ شعبان کو چاند نظر نہیں آتا ہے تو اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ وہ مہینہ کی تیس تاریخ کو افق میں ہوگا، لہذا تیس تاریخ کو اس کے دیکھنے کا

(۱) زیدان عبدالکریم، الوجیز فی اصول الفقہ، قاہرہ: دارالتوزیع والنشر الاسلامیۃ، ۱۴۱۴ھ، ص:۵۵

(۲) نووی، المجموع، ۶/۲۷۰۔

(۳) شاطبی، الموافقات فی اصول الاحکام، بیروت: دارالکتاب العلمیۃ، ۱/۱۰۹۔



اہتمام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی ہے، الا یہ کہ کوئی آدمی اتباع سنت کے جذبہ سے ایسا کرنے کی کوئی کوشش کرے، چاند تو عبادت کے وقت کے آغاز کی ایک علامت ہے، وہ خود عبادت کا مقصود نہیں ہے، جیسے کہ رشید رضا کہتے ہیں کہ رویت کا مقصد ''ان اوقات کا علم ہے، رویت از خود عبادت نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رویت ہلال یا تیس دن کی تکمیل سے مہینہ کے آغاز کو مربوط کیا ہے تو اس کی علت خود آپ نے یہ بتائی ہے کہ آپ کے عہد میں امت امی تھی، اور آپ کی بعثت کا مقصد امت کو امیت سے نکالنا تھا، اس میں باقی رکھنا نہیں............''(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان سے ایک دن پہلے یعنی یوم شک کے روزے سے منع فرمایا ہے، صحیح سند کے ساتھ مروی روایت میں حضرت عمارؓ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ: ''جس نے یوم شک میں روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی ہے'' (۲)۔ اسی طرح آپؐ نے عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن روزے رکھنے سے بھی منع فرمایا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روزوں کے سلسلے میں لازمی یہ ہے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے جائیں، نہ کم نہ زیادہ، آپؐ کا ارشاد ہے: ''رمضان سے پہلے روزے نہ رکھو............''۔

ان احادیث سے ہم اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ روزوں کی فرضیت کا سبب مہینہ کا آغاز ہے، رویت نہیں، عبدالکریم زیدان نے سبب شرعی کی یہ مثالیں بیان کی ہیں: ''ظہر کی نماز کی فرضیت کے لئے سورج کا زوال اور روزہ کی فرضیت کے لئے رمضان کا مہینہ'' (۳)۔ اس طرح یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ روزوں کی فرضیت کا شرعی سبب آغازِ مہینہ ہے، جہاں تک رویت کی بات ہے تو وہ آغازِ مہینہ کے علم کا وسیلہ ہے، بذات خود سبب شرعی نہیں ہے۔ یہی معاملہ

(۱) رضا، محمد رشید، تفسیر المنار، قاہرہ، الہیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، ۱۹۹۰ء، ۲/۱۴۹، ۱۵۰

(۲) بخاری، صحیح البخاری، ۶/۷۴۴

(۳) زیدان، الوجیز:۵۵

تعداد کی تکمیل کا ہے، کہ وہ بھی روزہ کا شرعی سبب نہیں ہے، جیسا کہ بعض علما نے ان احادیثِ نبویہ کی بنیاد پر کہا ہے جن کا تجزیہ پچھلے صفحات میں کیا گیا ہے، بلکہ سبب شرعی یہ ہے کہ تعداد کی تکمیل کے ذریعہ آغازِ مہینہ کا یقین ہوجاتا ہے، اور روزوں کی ابتدا کے لئے یہ لازمی ہے۔

یعنی رویتِ ہلال اور مہینہ کے ایام کی تکمیل دونوں کو روزوں کا شرعی سبب نہیں مانا جاسکتا ہے، اس کی دلیل وہ علت بھی ہے جسے آپ ؐ نے رویت کے استعمال کے لئے بیان فرمایا ہے، وہ ہے: '' ہم امی امت ہیں، نہ لکھتے ہیں اور نہ حساب کر پاتے ہیں، مہینہ اتنے اتنے دنوں کا ہوتا ہے''۔ یہ علت اگر رویت کے استعمال کی ہے تو علت کے خاتمہ کے ساتھ یہ وسیلہ بھی ختم ہوجائے گا، یعنی جب امت کی امیت کی شرط ختم ہوجائے گی تو اس سبب پر مبنی حکم کو باقی رکھنے کا کوئی سبب نہ بچے گا، اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''فمن شهد منكم الشهر فليصمه ومن كان مريضاً اوعلى سفرفعدة من ايام اخر'' (بقرہ: ۱۸۵) (تو تم میں سے جو کوئی مہینہ کو پائے تو وہ اس میں روزے رکھے، اور جو مریض یا مسافر ہو تو دوسرے کچھ دنوں میں روزے رکھ لے)، یعنی مریض ومسافر کے لئے روزے نہ رکھنے کی رخصت اس سبب سے زائل ہوجاتی ہے، پس مہینہ کی آمد کے وقت اگر مسلمان مریض ہو تو اس کے لئے روزے نہ رکھنے کی رخصت ہے، اگر وہ مہینہ کے اختتام سے پہلے صحت یاب ہوجائے تو اس پر روزے فرض ہوجائیں گے، اور مرض کے خاتمہ سے رخصت ختم ہوجائے گی۔

سوم: اگر کوئی یہ کہے کہ رویت تیس شعبان کو اس لئے مطلوب نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہارے لئے انتیس تاریخ کو چاند چھپ جائے تو تیس روزے مکمل کرو''، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس ارشاد نبوی نے تیس دنوں کی تکمیل کا حکم مطلع ابرآلود ہونے کی صورت میں دیا ہے، اور یہ نہیں فرمایا ہے کہ اگر انتیس شعبان کو مطلع ابرآلود نہ ہو تو تیس شعبان کو نیا چاند نہ دیکھو، یعنی اگر انتیس شعبان کو مطلع صاف ہو اور چاند نظر نہ آئے تو اگر رویت بذاتِ خود مطلوب ہو،



اور روزوں کے آغاز کے لئے بذاتِ خود فرض ہو تو کیا یہ حدیث ہم سے تیس شعبان کو رویت کا مطالبہ نہیں کرے گی، اس لئے کہ حدیث میں مطلع ابرآلود ہونے کی صورت میں یہ حکم دیا گیا ہے، اگر رویت بذاتِ خود مطلوب ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تیس تاریخ کو بھی ایسا کرنے کا حکم دیا ہوتا، بالخصوص جب کہ مطلع صاف ہونے کی صورت میں بھی رویتِ ہلال اس لئے نہ ہو پائے کہ وہ ابھی افق میں ہے ہی نہیں۔ لیکن اگر ہم یہ سمجھیں کہ رویت بذاتِ خود مطلوب نہیں ہے، بلکہ وہ صحیح معلومات کا ایک وسیلہ ہے، اور مہینہ کے آغاز واختتام کا صحیح علم بذات خود مطلوب ہے تو اس حالت میں ہم یہ سمجھ سکیں گے کہ رویت کی ضرورت انتیس شعبان کو ہے، تیس کو نہیں ہے۔

چہارم: ۲۹/شعبان کو بھی رویت روزہ کے لئے شرط نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو کسی مسلمان کو ۲۹/شعبان کو نیا چاند دیکھے بغیر روزوں کا آغاز کرنے کی اجازت نہ ہوتی، لیکن حضرات ابن عمرؓ، عائشہؓ اور اسماء بنت ابی اکبر ۲۹/شعبان کو مطلع ابرآلود ہونے کی صورت میں بغیر رویت ہلال کے ہی روزے رکھتے تھے، جیسا کہ ہم اگلے صفحات میں لکھیں گے، وہ یہ روزہ نفل روزے کے طور پر نہیں رکھتے تھے، بلکہ اسے رمضان کے فرض روزے کے طور پر رکھتے تھے، بہت سے تابعین کی بھی یہی رائے تھی، اور ایک فقہی مسلک نے اس رائے کو اختیار بھی کیا ہے، امام احمدؒ نے ان صحابہ کے موقف کا اتباع کیا، اور پھر حنبلی مسلک نے یہی رائے اختیار کی، اس سلسلے میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اس رائے کے حامل صحابہ میں سے حضرت ابن عمرؓ ایسی متعدد صحیح احادیث کے راوی ہیں جو روزوں کے آغاز کے لئے رویت کا مطالبہ کرتی ہیں۔ مثلاً:

'' حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: جب تک چاند نہ دیکھ لو روزے نہ رکھو، اور جب تک چاند نہ دیکھ لو روزوں کا سلسلہ ختم نہ کرو، اگر چاند نہ دکھ سکو تو اس کا اندازہ لگاؤ'' (۱)

(۱) بخاری، صحیح بخاری، ۶/۸۷۴، ابن حنبل، مسند احمد: ۱۱/۸۷

آگے ہم ذکر کریں گے کہ حضرت ابن عمرؓ ۲۹ رشعبان کو مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں نئے چاند کو دیکھے بغیر ہی رمضان کا آغاز کر دیتے تھے، ماہ رمضان کے آغاز وعدم آغاز کی بابت کوئی رائے اختیار کرنے کے لئے آنکھ کی رویت کا مطالبہ کرنے والی احادیث کے راوی حضرت ابن عمرؓ کا یہ عمل ان احادیث کے حقیقی معنیٰ کی تشریح کرتا ہے، اور ایک اور زیادہ اہم موضوع اور جمہور کی ایک اور رائے کے تجزیہ کے لئے راہ ہموار کرتا ہے، یہ ہے: اسباب اور مسببات کے درمیان تعلق یعنی روزوں اور آنکھ کی رویت کے درمیان تعلق کا مفہوم، لہذا یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ خود رویت رمضان یا روزوں کی تعیین کا شرعی سبب ہے، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اس کو وسیلہ قرار دینے کی حکمت صحیح رائے تک پہنچنے کی کوشش ہے۔

اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے ہمیں اس اگلے نقطہ پر بھی توجہ مرکوز کرنی چاہئے۔

فقہا کے نزدیک قطعی اصولوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آنکھ کی رویت رمضان کی تعیین کے سلسلے میں بذاتِ خود شرط نہیں ہے، جیسا کہ معروف شافعی فقیہ ابن دقیق العید نے بیان کیا ہے۔

''درحقیقت رویت لازمی شرط نہیں ہے، اس لئے کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ تہ خانہ میں قید انسان کو اگر شعبان کے تیس دن مکمل ہونے یا اجتہاد کے ذریعہ دیگر نشانیوں سے یہ معلوم ہوجائے کہ یہ دن رمضان کا ہے تو اس پر روزہ فرض ہوجائے گا، خواہ اسے چاند نظر نہ آئے اور دیکھنے والا اسے خبر نہ دے''۔(۱)

معروف حنفی فقیہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی کہتے ہیں کہ تمام فقہائے اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ چاند کی پیدائش کی رویت محض وسیلہ ہے بذاتِ خود فرض نہیں ہے:

''آیتِ قرآنی: '' فمن شهد منكم الشهر '' کا مطلب یہ ہے کہ جو مہینہ میں

(۱) ابن دقیق العید، احکام الاحکام، قاہرہ، مطبعۃ السنۃ المحمدیۃ، ۱۵۴



موجود ہو، پس شہود علت ہے، اور ارشاد نبوی ''چاند دیکھ کر روزہ رکھو'' بھی اس کی دلیل ہے، اس لئے کہ مراد بالا جماع حقیقتِ رویت نہیں ہے، بلکہ اس سے ثابت ہونے والا مہینہ میں ''شہود'' ہے۔(۱)

شیخ مصطفیٰ زرقا کہتے ہیں: ''یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ نئے چاند کی رویت اسلام میں بذاتِ خود عبادت نہیں ہے، وہ تو بس وقت کی معرفت کے لئے وسیلہ ہے، اور ایسی امت کے لئے واحد ممکنہ وسیلہ ہے جو تحریر وحساب سے نابلد ہو، آنکھ کی رویت پر اعتماد کا حکم دینے کی علت امت کی اہمیت ہی ہے، یہ بات اس حکم کے مرجع یعنی حدیثِ نبوی کے نص سے ثابت ہے''۔(۲)

یہ بات صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھ کی رویت کو ماہ رمضان کے آغاز یا عدم آغاز کی بابت اطمینان کرنے کے لئے مسلمانوں کے پاس موجود تنہا وسیلہ کہا تھا، لیکن آپ نے اس کا سبب بھی یہ بتایا تھا کہ اس وقت امت امی تھی، تحریر وحساب سے نا آشنا تھی۔

نیز لفظ ''رویۃ'' یا اس کا فعل ''رأی، یری'' قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں بکثرت اس طرح استعمال ہوئے ہیں کہ ان کے معنیٰ آنکھ سے دیکھنے کے نہیں ہو سکتے ہیں، بلکہ ان آیات واحادیث میں ان سے مراد غور وفکر اور یقین ہے۔

اسی طرح فعل ''یری'' کے مشتقات قرآن مجید میں تقریباً ۳۲۸ مرتبہ استعمال ہوئے ہیں، لیکن ان تمام استعمالات میں رویت کے قریبی معنیٰ مراد نہیں ہیں، متعدد مقامات پر یہ لفظ اپنے دلالتی معنیٰ اور دور کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے، یعنی غور وفکر اور یقین کے معنیٰ میں، کلامِ عرب بالخصوص قرآن میں ایسا بکثرت ہوا ہے۔

(۱) تفتازانی، شرح التلویح علی التوضیح، قاہرہ، مکتبۃ صبیح، ۱/۱۰۴

(۲) زرقا، مصطفیٰ، فتاوی مصطفیٰ الزرقاء، دمشق، دار القلم، ۲۰۰۱، ص: ۱۶۳، ۱۶۴۔

مثلاً سورۂ بقرہ کی آیات: ۲۴۳ اور ۲۴۶ میں اس لفظ کے بعید و دلالتی معنی مراد ہیں:

'' الم ترالیٰ الذین خرجوا من دیارھم وھم ألوف حذرالموت فقال اللہ موتوا ثم احیاھم انّ اللہ لذوفضل علی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون'' (بقرہ: ۲۴۳)

(کیا تم نے غور نہیں کیا ان لوگوں پر جو اپنے گھروں میں ہزاروں کی تعداد میں موت کے ڈر سے نکلے، تو اللہ نے ان سے کہا مرجاؤ، پھر اللہ نے ان کو زندہ کر دیا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ انسانوں پر بہت زیادہ فضل کرنے والا ہے، لیکن اکثر لوگ شکرگزار نہیں ہیں)۔

''الم تر الیٰ الملأ من بنی اسرائیل من بعد موسیٰ اذ قالوا لنبی لھم ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ'' (بقرہ ۲۴۶)

(کیا تم نے حضرت موسیٰ کے بعد کے بنی اسرائیل کے سرداروں پر غور نہیں کیا، جب انہوں نے اپنے ایک نبی سے کہا کہ ہم میں ایک بادشاہ نامزد کر دیجئے تا کہ ہم اللہ کے راستہ میں جنگ کریں)۔

یہی حال اِن اور ان جیسی دیگر آیات کا بھی ہے: ۲:۲۳، ۴:۴۴، ۴:۴۹، ۴:۶۰، ۹:۹۶، ۹۶:۱۳، ۱۰۷:۱۔

روزہ سے متعلق حدیث پر غور کریں تو واضح طور پر نظر آتا ہے کہ حدیث میں مذکور آنکھ کی رویت فی ذاتہ مطلوب و مقصود نہیں ہے، مطلوب و مقصود روزوں کے آغاز کے لئے صحیح معلومات کے حصول کی کوشش ہے۔

'' حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے روایت ہے کہ: '' ہم رسول اکرمؐ کے ساتھ چلے، آپ روزے سے تھے، سورج غروب ہوا تو آپ نے فرمایا: اترو، ہمارے لئے ستو گھولو، انہوں نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ! ابھی دن باقی ہے، آپؐ نے پھر فرمایا اترو! ہمارے لئے ستو گھولو!



اس نے عرض کیا، ابھی دن باقی ہے، آپ نے فرمایا اترو! ستو گھولو، وہ شخص اترا اور اس نے لوگوں کے لئے ستو گھولا، آپؐ نے پیا اور فرمایا: '' جب تم رات کو ادھر (مشرق) سے آتا ہوا دیکھ لو تو روزہ افطار کرنے کا وقت ہو گیا'' (۱)۔

'' حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے، آپ روزے سے تھے، جب سورج غروب ہو گیا تو آپؐ نے کہا: اے فلاں! کھڑے ہو اور ہمارے لئے ستو گھولو، اس نے کہا یا رسول اللہ! شام ہو جائے، آپؐ نے فرمایا: اترو اور ہمارے لئے ستو گھولو، اس نے کہا: یا رسول! ابھی دن ہے، آپؐ نے فرمایا اترو اور ستو گھولو، اس نے اتر کر لوگوں کے لیے ستو گھولا، آپؐ نے پیا اور فرمایا: جب تم رات کو ادھر (مشرق) سے آتا ہوا دیکھ لو تو روزہ افطار کرنے کا وقت ہو گیا''۔(۲)

'' حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے، جب سورج غروب ہو گیا تو آپؐ نے ایک شخص سے کہا: اترو اور میرے لئے ستو گھولو، اس نے کہا یا رسول اللہ! شام ہو جائے، آپؐ نے فرمایا: اترو اور میرے لئے ستو گھولو، اس نے کہا: یا رسول! شام ہو جائے، ابھی دن ہے، پھر آپؐ نے فرمایا اترو اور ستو گھولو، تیسری مرتبہ کے اس حکم کے بعد اس شخص نے اتر کر ستو گھولا، آپؐ نے پیا، اور پھر اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: جب تم رات کو ادھر سے آتا ہوا دیکھ لو تو روزہ افطار کرنے کا وقت ہو گیا'' (۳)

ان احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے '' رأیتم '' کا لفظ رمضان کے روزوں

(۱) صحیح بخاری، ۵۷/۷/۷

(۲) حوالۂ بالا

(۳) حوالۂ بالا: ۱۶:۳۵۰

کے افطار کے لئے بتایا ہے، فرمایا: ''اذا رأیتم اللیل أقبل من المشرق'' (جب تم رات کو مشرق کی سمت سے آتا ہوا دیکھ لو)، اگر اس جملہ پر بھی ہم حرفی طور پر غور کریں تو اس کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم ہر شام کو افطار کرنے سے پہلے باہر نکل کر مشرق سے رات کو آتا ہوا دیکھیں، لیکن عصر حاضر میں کوئی بھی افطار کرنے کے لئے غروب آفتاب دیکھنے کی غرض سے باہر نہیں نکلتا ہے، پوری دنیا میں مسلمان سحری وافطار کے اوقات کے لئے فلکی حسابات کا استعمال نہیں کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمانوں کے پاس بہت سے متبادل نہیں تھے، اسی لئے وہ اس طریقے کو استعمال کرتے تھے جو ان کے پاس دستیاب وسائل میں سب سے زیادہ صحیح معلومات دینے والا تھا، لیکن عصر حاضر میں سحری وافطار کے اوقات کی تعیین کے سلسلہ میں ایسے دیگر وسائل دستیاب ہیں جو زیادہ صحیح معلومات دے سکتے ہیں، اور ان کے استعمال پر کسی بھی فقیہ نے اعتراض نہیں کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وکلوا واشربوا حتیٰ یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الأسود من الفجر ثم اتموا الصیام الیٰ اللیل'' (بقرہ:۱۸۷) (اور کھاؤ پیو، یہاں تک کہ صبح صادق کی وجہ سے سفید دھاگا کالے دھاگے سے ممتاز ہو جائے، پھر رات تک روزے مکمل کرو۔)

امت اسلامیہ نے کئی صدیوں تک پنج وقتہ نمازوں کے اوقات کی تعیین کے لئے سایہ اور قطبوں پر اعتماد کیا، اور آپؐ نے اوقات کی تعیین کے لئے سایہ کے اعتبار کا حکم بھی دیا تھا، لیکن ہم اب فلکی حسابات پر اعتماد کرتے ہیں، اس موضوع پر کلام کی بنیاد یہ نہیں ہے کہ پنج وقتہ نمازوں کا تعلق شمسی نظام سے ہے جب کہ ماہ رمضان کا تعلق قمری نظام سے ہے، بلکہ اس کی بنیاد یہ ہے کہ ان دونوں مسائل کے سلسلہ میں قرآنی وحدیثی نصوص کی تطبیق ان کی روح اور مقصد کے اعتبار سے ہونی چاہئے، حرفی وظاہری طور پر نہیں، اس لئے کہ ان دونوں کی حرفی تطبیق بہت سے امور میں شرعی



طور پر فرض نہیں ہے، شریعت میں فرض نصوص کے مقصد کا حصول ہے، شیخ محمد رشید رضا کہتے ہیں: ''اس فرق اور اوقات نماز کی تعیین میں (یعنی چاند کے مسئلہ کے علاوہ میں حساب پر عمل کرتے ہوئے) ترک نصوص کی کوئی دلیل اور معقولیت نہیں ہے، یہ قول کسی بھی امام مجتہد کا نہیں ہے، بلکہ یہ رائے ''بعض کتاب پر ایمان اور بعض کتاب کی تکذیب'' کے قبیل سے ہے۔(۱)

اس لئے ہم کہتے ہیں کہ روزہ افطار کے سلسلے میں اصلی مطلوب غروب آفتاب کا یقین حاصل کرنا ہے، یہی حال سحری کے سلسلہ میں ہے، کہ اس میں مطلوب طلوع صبح صادق کے وقت کی بابت یقین حاصل کرنے کی کوشش ہے، آپؐ کے زمانہ میں یہ مقصد اس وقت کے دستیاب وسائل کو استعمال کر کے حاصل کیا جاتا تھا، اور اب یہ مقصد فلکی حسابات اور گھڑیوں کی مدد سے حاصل ہوتا ہے، پوری امت نماز وروزے جیسے فرائض وعبادات سے متعلق امور میں فلکی حسابات کے استعمال پر متفق ہے، فرائض وواجبات ناقابل تغیر ہیں، اور صحیح طریقہ پر ان کی ادائیگی عام حالات کے اعتبار سے ہے، یہ لچک دار اور غیر جامد شریعتِ اسلامی ہے، جو زمانہ کے تغیرات اور انسانی کارواں کی پیش قدمی کے ساتھ چلتی ہے، شریعتِ اسلامی کوئی تنگ شریعت نہیں ہے، بلکہ وہ لچک دار، آسان اور سہل شریعت ہے، اس کے فرائض تمام زمانوں میں فرض ہیں، لیکن ان کی صحیح ادائیگی کے وسائل تغیر پزیر ہیں، تاکہ وہ ہر زمانہ کی تبدیلیوں اور ارتقاءات کا ساتھ دے سکیں۔

کچھ معاصر مسلمان مذکورہ بالا نظریہ (یعنی عصر حاضر میں دستیاب دیگر وسیلہ کے ذریعہ ہدف تک رسائی) کے خلاف ہیں، وہ اس مقولہ کو اپنی دلیل بناتے ہیں: ''الغایۃ لاتبرر الوسیلۃ'' (ہدف کسی وسیلہ کو صحیح قرار نہیں دے سکتا ہے)، وہ اس کی کچھ مثالیں بھی دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ شریعت اسلامی نے اسلامی اہداف کے حصول کے لئے بعض امور اور وسائل کی تحدید کی ہے، جیسے حلال آمدنی اور خاندان پر خرچ کرنا، لیکن کسی مسلمان کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ غیر شرعی

(۱) تفسیر المنار، ۲/۱۵۱۔

اعمال کرے یا ایسے کام کرے جن کی اسلام میں اجازت نہیں ہے، مثلاً اس بنیاد پر چوری کرنا کہ وہ چوری کر کے ایک شرعی ہدف یعنی خاندان کا خرچ اٹھانے کا عمل کرے گا، یہی حال سلسلۂ تناسل جاری رہنے اور حفاظتِ اولاد کے شرعی ہدف کا ہے، کسی فرد کو یہ اجازت حاصل نہیں ہے کہ وہ اس شرعی ہدف کے حصول کے لئے غیر شرعی وسیلہ اختیار کرے، مثلاً کوئی شخص سلسلۂ تناسل باقی رکھنے کے لئے زنا نہیں کر سکتا ہے۔

لیکن یہ نظریہ اور مثالیں فلکی حسابات کے اعتبار کے ہمارے موضوع پر منطبق نہیں ہوتی ہیں، اس لئے کہ چوری جیسے غیر شرعی وسائل کے ذریعہ خاندان کا خرچ اٹھانا یقیناً ناقابل قبول ہے، اس لئے کہ چوری کی حرمت صراحت کے ساتھ وارد ہوئی ہے، قرآن وحدیث میں اس کو حرام قرار دیا گیا ہے کہ اس میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں ہے، یہی حال حفاظتِ نسل کے دعوے کے ساتھ زنا کرنے کا ہے، اس لئے کہ زنا فی نفسہ حرام ہے، اور اس کی حرمت کے سلسلہ میں کسی قیل وقال یا کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے، شرعی ہدف کے حصول کے سلسلے میں ان دونوں وسیلوں کا استعمال حرام ہے، کہ وہ فی نفسہ حرام ہیں، لہذا یہ مثالیں فلکی حسابات کے سلسلے میں ہماری گفتگو پر منطبق نہیں ہوتی ہیں، قرآن مجید میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں جو اسی نوعیت کی ہیں، یعنی ہر زمانہ اور علاقہ میں دستیاب وسائل کے ذریعہ شریعت کے طے کردہ ہدف وفریضہ کا حصول، خواہ اس کے نتیجے میں نص شرعی میں مذکور وسائل کی مخالفت لازم آئے، اس کے لئے کہ ہدف کا حصول فرض ہے، وسیلہ کا حصول نہیں، ہاں یہ بات اسی صورت کی ہے جب وسیلہ حرام نہ ہو، جیسا کہ اوپر ہم نے ذکر کیا۔

سورہ انفال میں ارشاد ہوا ہے: ''واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم وآخرين من دونهم لاتعلمونهم الله يعلمهم وما تنفقوا من شيء في سبيل الله يوفّ اليكم وانتم لا تظلمون'' (انفال:۶۰) (اور



جس قدر طاقت اور گھوڑوں کی چھاؤنیاں تم سے بن پڑیں ان سے مقابلے کے لئے تیار کرو، جن کے ذریعہ تم اللہ کے دشمن اور اپنے (موجودہ) دشمن پر بھی ہیبت طاری کر سکو، اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جنہیں ابھی تم نہیں جانتے، مگر اللہ انہیں جانتا ہے، اور اللہ کے راستے میں تم جو کچھ خرچ کروگے وہ تمہیں پورا پورا دے دیا جائے گا، اور تمہارے لئے کوئی کمی نہیں کی جائے گی)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت کے ساتھ اس بات کا تذکرہ فرمایا ہے کہ گھوڑے طاقت ہیں، اور وہ دشمنوں پر ہیبت طاری کرنے کے لئے اختیار کئے جانے والے وسائل میں سے ہیں، اور آپ ؐ نے وضاحت کے ساتھ تیروں کو بھی طاقت قرار دیا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ: ابوعلی ہمدانی کا بیان ہے کہ انہوں نے حضرت عقبہ بن عامر کو منبر پر ارشاد فرماتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل'' (اور جس قدر طاقت اور گھوڑوں کی چھاؤنیاں تم سے بن پڑیں ان سے مقابلے کے لئے تیار کرو)، سنو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''ان سے مقابلہ کے لئے جس قدر طاقت حاصل کر سکو کرو، سنو تیر اندازی طاقت ہے، یہ بات آپ ؐ نے تین مرتبہ فرمائی۔(۱)

قرن اوّل کے مشہور مفسر قرآن حضرت عکرمہؓ نے تشریح کی ہے کہ اس آیت میں گھوڑوں سے مراد مادہ ہیں،'' واعدوا لهم ما استطعتم من قوة.........کی تفسیر میں حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ ''قوۃ'' سے مراد قلعے اور ''رباط الخیل'' سے مراد گھوڑیاں ہیں''۔(۲)

اِس زمانہ میں دشمن کو ڈرانے کے لئے اور جنگوں میں ان وسائل کا استعمال نہایت بے

(۱) طبری، ابوجعفر محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل آی القرآن (تفسیر الطبری)، تحقیق: احمد محمد شاکر، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱/ ۲۴، طبع اول: ۱۴۲۰ھ/ ۲۰۰۰، ۱۴/ ۳۴

(۲) حوالۂ بالا

وقوفی ہے، بلکہ آیت قرآنی کے خلاف ہے، اس لئے کہ آیت کا مقصود اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ہمارے لئے عائد کردہ فریضہ جنگ میں شریک اور غیر شریک دشمنوں کو ڈرانا ہے، اگر ہم آیت نبوی میں ذکر کردہ وسیلہ (گھوڑوں) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کردہ وسیلہ (تیروں) کو اختیار کریں تو اس سے آیت کا مقصود (دشمن کو ڈرانا) حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کی ضد حاصل ہوتی ہے، یعنی ہم ان وسائل کو حاصل کر کے دشمن کو ڈرا نہیں سکتے، بلکہ اپنے سے جنگ کرنے والے دشمن کو جنگ جاری رکھنے کی ہمت دلائیں گے، اور جو ابھی تک جنگ نہیں کر رہا ہوگا اسے بھی اپنے خلاف جنگ کرنے کی ہمت دلائیں گے، اس لئے کہ ہمارے پاس ایسا کچھ نہیں ہوگا جس سے وہ خوف زدہ ہو۔

یعنی دشمن کو ڈرانے کے جو وسائل قرآن وحدیث میں مذکور ہیں وہ صرف یہی نہیں کہ ہمارے زمانے میں اپنے مقصد (دشمن کو ڈرانے) کو حاصل نہیں کر پاتے ہیں، بلکہ اس کے متضاد نتائج پیدا کرتے ہیں، اگر ہم یہ کہہ کر ان وسائل کو اختیار کرلیں کہ انہیں ہمارے اوپر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے قرآن وحدیث میں فرض کیا ہے تو ہم وسیلہ کی حفاظت کے لئے ہدف کی قربانی دے دیں گے۔

لہذا ہدف کے حصول کے معاصر وسیلہ کو اختیار کرنا صرف حرام ہی نہیں ہے، بلکہ ہمارے لئے لازمی ہے کہ ہم عصر حاضر کے جنگی وسائل کا استعمال کریں، اور کوئی شرعی نص ہمارے اوپر جنگی جہازوں، میزائیلوں اور ٹینکوں کے استعمال کو حرام قرار نہیں دیتا ہے، تو کیا کوئی عقل مند عصر حاضر کی جنگوں میں تیروں اور جنگوں کے استعمال کا اس بنیاد پر مطالبہ کرسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن وحدیث میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

یہی حال فلکی حسابات کا ہے، وہ شرعی ہدف (صحیح اور یقینی معلومات کے حصول) کا ایک وسیلہ ہیں، اور ان حسابات کو احادیث نبویہ میں غیر معتبر قرار دینے کی وجہ یہ متعین علت تھی کہ امت کی اکثریت امی تھی، اور فلکی حسابات سے نابلد تھی، یہی حال اگلی نسلوں کا تھا۔



ماضی کے فقہاان فلکی حسابات کو مسترد کرنے میں بالکل حق بجانب تھے، اس لئے کہ اس وقت یہ حسابات غیر صحیح تھے اور کسی صحیح و دقیق علم پر مبنی نہیں تھے، بلکہ انہیں انجام دینے والے لوگ نجومیوں اور جادوگروں کی ایک جماعت تھی، جب کہ عصر حاضر میں فلکی حسابات شعبدہ بازوں، جادوگروں اور نجومیوں کا اختصاص نہیں بچے ہیں، بلکہ اب وہ ایک ایسے علم پر مبنی ہیں جس کے ماہرین وہ ماہرین فلکیات ہیں جو اپنے نظریات خالص علمی مشاہدات، حقائق و بنیادوں کی بنیاد پر پیش کرتے ہیں، ان حسابات میں غلطی کا امکان تقریباً معدوم ہے، اگر ہم یہ سمجھ جائیں کہ ان حسابات کو علمائے سلف کے ذریعہ مسترد کئے جانے کے اسباب کیا تھے تو بھی معاصر علما کے ذریعہ اس علم کو مسترد کرنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، وہ اس علم کو اکیسویں صدی میں اس وقت مسترد کر رہے ہیں جب وہ امریکا و یورپ میں اپنی بلندیوں کو پہنچا ہوا ہے۔

مثلاً معروف حنفی فقیہ زین الدین بن ابراہیم بن نجیم لکھتے ہیں:

''صاحب امداد نے ابن شحنہ کی شرح المنظور سے نقل کیا ہے کہ حدیث میں '' کاہن'' اور ''عراف'' سے مراد غیبی باتیں بتانے والے یا علم غیب کے مدعی ہیں، اور یہ علم یقیناً ناجائز ہے، اور اس کی تصدیق کفر ہے، جب کہ چاند کا معاملہ اس قبیل سے نہیں ہے، بلکہ اس سلسلہ میں ان کا اعتماد قطعی حساب پر ہے، غیب کی خبر دینے یا غیب دانی کے دعوے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، کیا آپ اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہیں دیکھتے: ''قدره منازل لتعلموا عددالسنين والحساب''(۱) (اور اللہ نے چاند کی منزلیں متعین کیں، تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب کو جان سکو)۔

شیخ تقی الدین علی بن عبدالکافی سبکی (۶۸۳-۷۵۶) نے اس سلسلے میں حدیث سے استدلال کرتے ہوئے ایک ایسی بات کہی ہے کہ جس کی صحت میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوسکتا ہے:

''یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ شریعت نے حساب کے نتائج پر عمل کو غلط قرار دیا ہے، کہ ایسا کسی

(۱) ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، مطبوعہ: بیروت، دار الکتاب الاسلامی، ۲/ ۲۸۴

آیت وحدیث میں نہیں ہے، نیز حساب پر میراث وغیرہ کے سلسلہ میں عمل کیا جاتا ہے، حدیث تحریر وحساب کی بابت ہے، اور تحریر منہی عنہ نہیں ہے تو اسی طرح حساب بھی ممنوع نہیں ہوگا''(۱)

فلکی حسابات پر عوام کے اعتماد کے مشکل ہونے کی جو بات کہی جاتی ہے اس کے سلسلہ میں یہ کہنا ضروری ہے کہ ہمارے اس زمانہ میں دنیا ایک چھوٹے سے گاؤں کی شکل اختیار کرگئی ہے، اب دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک معلومات چند منٹوں میں بلکہ چند سکنڈوں میں منتقل ہوجاتی ہیں، لہذا امام نوویؒ اور دیگر علمانے اس کو اختیار کرنے میں جس مشکل کا ذکر کیا تھا وہ اب اس زمانہ میں نہیں بچی ہے، بلکہ جیسا کہ شیخ یوسف القرضاوی نے لکھا ہے اب معاملہ اس کے برعکس ہے، آج پوری دنیا میں بالخصوص مغرب میں مسلمانوں کو آنکھ کی رویت پر اعتماد کے نتیجے میں بہت پریشانیاں پیش آرہی ہیں، بعض لوگوں کو یہ جاننے کے لئے نصف رات تک انتظار کرنا پڑتا ہے کہ اگلا دن ماہ رمضان کا آخری دن ہے، اور عید اس کے بعد ہے یا اگلا دن ہی عید ہے، اور آج تراویح پڑھی جائے یا نہیں، ان مشکلوں کا ملازمت پیشہ مسلمانوں اور مسلم طلبہ پر سب سے گہرا اثر پڑتا ہے، ان کے لئے یہ طے کرنا مشکل ہوتا ہے کہ وہ اپنے آفس، فیکٹری یا کالج سے چھٹی کس دن کی لیں، اس سے انہیں اپنے ادارہ میں پریشانیاں پیش آتی ہیں، لہذا مغربی ممالک کے مسلمانوں کے لئے تو آنکھ کی رویت ہی مشکل کا باعث ہے، اور اس کے نتیجہ میں ان کے لئے شدید حرج پیش آتا ہے، جب کہ فلکی حسابات کے اعتبار میں انہیں کوئی مشکل نہیں ہے۔

امور دین کی بابت فلکی حسابات کے استعمال میں حرج کی جہاں تک بات ہے تو ہم دیکھ رہے ہیں کہ پنج وقتہ نمازوں کی اور سحری وافطار کے اوقات کی تحدید بلکہ سمت قبلہ کی تحدید کے سلسلے میں بھی ایک طویل عرصہ سے ان حسابات کے استعمال کو صحیح قرار دیا جارہا ہے، یعنی ایک طویل زمانہ سے علمانے دینی امور کے سلسلے میں فلکی حسابات کو صرف قبول ہی نہیں کیا ہے، بلکہ

(۱) سبکی، فتاوی السبکی، دار المعارف، ۱/ ۲۱۷



مسلمانوں سے ان کے سیکھنے کا بھی مطالبہ کیا ہے۔

''فقہا نے علم نجوم کی دو قسمیں کی ہیں: اول: حساب پر مبنی: یعنی ستاروں کی گردش کے حساب کی بنیاد پر مہینہ کے آغاز کی تحدید، اس کے ماہر کو' المنجم بالحساب ''(حساب کی بنیاد پر ستاروں کی بابت علم رکھنے والا) کہا جاتا ہے، اس علم نجوم کے استعمال کے جواز اور نمازوں کے اوقات نیز قبلہ کی تعیین کے لئے اس علم کو حاصل کرنے کی بابت فقہا کے یہاں کوئی اختلاف نہیں ہے، بلکہ جمہور علما کا خیال ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے، حاشیۂ ابن عابدین میں ہے: حساب والا علم نجوم برحق ہے، یہ بات خود قرآن سے بھی ثابت ہے: ''الشمس والقمر بحسبان ''(سورج اور چاند ایک متعین حساب کے مطابق گردش میں ہیں) فقہا نے اوقاتِ نماز اور سمت قبلہ کی تعیین کے سلسلے میں حساب پر اعتماد کو صحیح قرار دیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ: چاند، سورج گرہن اور چاند گرہن کا حساب قطعی ہے، اس لئے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فلکی حرکات اور ستاروں کی گردش کو ایک دائمی یکساں نظام پر جاری کیا ہے، یہی حال چاروں موسموں کا ہے، کوئی چیز جب مسلسل یکساں طریقہ پر جاری رہے تو وہ قطعیت کا فائدہ دیتی ہے، لہذا نماز کے اوقات اور سمت قبلہ جیسے امور کی تعیین میں اس پر اعتماد کرنا چاہئے''۔(۱)

معروف حنفی فقیہ احمد بن محمد حموی نے بھی اسی طرح کی بات کہی ہے:

''فلاں دن چاند نظر آنے اور فلاں دن چاند گرہن ہونے جیسے امور حقیقی مشاہدوں پر مبنی حسابی امور ہیں لہذا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہی میں داخل نہیں ہیں، اس کی تائید فقہا کی اس رائے سے ہوتی ہے کہ نمازوں کے اوقات اور قبلہ کی تعیین کے لئے جس قدر علم فلکیات لازمی ہے اس قدر اس کے حصول کی اجازت ہے''۔(۲)

(۱) الموسوعۃ الفقہیۃ، ۱۴/ ۵۳

(۲) حموی، غمز عیون البصائر، ۲/ ۶۶

ان ہی اسباب کی بنا پر شیخ مصطفیٰ نے ان علما پر حیرت کا اظہار کیا ہے جو مہینہ کے آغاز کے سلسلہ میں فلکی حسابات کو مسلسل مسترد کرتے ہیں، حالانکہ وہ زیادہ اہم اور زیادہ پیش آنے والے تعبدی امور میں ان حسابات کو قبول کرتے ہیں، جیسے پنج وقتہ نمازوں کے اوقات وغیرہ، فقہائے سلف کا اپنے زمانہ میں فلکی حسابات کو مسترد کرنا بالکل برحق تھا، اس لئے کہ ان کے زمانہ میں یہ علم آج کی طرح قطعیت کے درجہ تک نہیں پہنچا ہوا تھا، اسی لئے وہ روزے جیسی عبادات میں اس پر اعتماد نہیں کر سکتے تھے، لیکن آج جب کہ یہ علم نہایت ترقی یافتہ اور قطعی ہو چکا ہے اور فقہا نے جن اسباب کی بنا پر ان حسابات کو قبول کرنے سے انکار کیا تھا اب وہ سب ختم ہو چکے ہیں تو بھی کیا اسی رائے پر قائم رہنا صحیح ہے، شیخ زرقا لکھتے ہیں:

”یہ حقیقت ہے کہ نئے چاند کی رویت فی نفسہ اسلامی عبادت نہیں ہے، بلکہ وہ تو وقت جاننے کا ایک وسیلہ ہے، جو اس زمانہ میں جب امت امی تھی اور تحریر وحساب سے نابلد تھی تنہا ممکن وسیلہ تھی، اور امیت کی ہی وجہ سے آنکھ کی رویت پر اعتماد کا حکم حدیث نبوی میں دیا گیا تھا، لیکن یقینی فلکی حساب پر اعتماد سے کیا چیز مانع ہے، جو ہمیں نئے مہینہ کے آغاز کا علم پہلے سے ہی دے دیتا ہے، اور اس پر اعتماد کرنے کے نتیجے میں ہمارے علم کو کسی طرح کا ابر اور عقلی کم مائیگی مانع نہیں ہوتے ہیں“(۱)۔

فقہی اور عام مسلمہ امور میں سے ایک یہ ہے کہ اسباب ومسببات کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے، علت کا وجود حکم کے وجود کا سبب ہے، علت ختم ہونے پر حکم ختم ہو جاتا ہے، اور سبب کے ختم ہو جانے پر مسبب ختم ہو جاتا ہے۔

## ’تیس دنوں کی تکمیل‘ سے استدلال کی کمزوری:

مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں مہینہ کو تیس دنوں کا ماننا اکثر علما کی اختیار کردہ رائے ہے، لیکن یہ پوری امت میں پایا جانے والا تنہا موقف نہیں ہے، حضرت ابن عمرؓ اور امام احمدؒ جیسے

(۱) زرقا: فتاوی مصطفیٰ الزرقاء، ۱۶۳۔۱۶۴



متعدد ائمہ مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں شعبان کو تیس دن کا نہیں مانتے ہیں، بلکہ ۲۹ رشعبان کے بعد رمضان کا آغاز کر دیتے ہیں، حالانکہ اکثر روایات میں آپ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ ”اگر مطلع ابر آلود ہو تو شعبان کو تیس دنوں کا مانو“۔

تعجب اور توجہ کی طالب بات یہ ہے کہ اس سلسلہ کی بہت بلکہ اکثر روایات کے راوی حضرت ابن عمرؓ ہی ہیں۔

جب ہم اس موضوع کی تہوں میں جاتے ہیں، اور ان احادیث کا باریک تجزیہ کرتے ہیں تو بالکل مختلف صورت سامنے آتی ہے، ذیل میں ہم چند روایات درج کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ عہد صحابہ میں بھی اس سلسلہ میں تعداد کی تکمیل پر اجماع نہیں تھا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ان احادیث میں تعداد کی تکمیل کے سلسلہ میں متعدد مشکلات ہیں، ان مشکلات کو تبھی سمجھا جا سکتا ہے جب ہم ان احادیث نبویہ کا گہرا مطالعہ کریں، ان کا تجزیہ اور ان کے نتائج کا تقابل کریں۔

”محمد بن زیادؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (یا ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا: صوموا لرؤيته وأفطروا لرأيته فان غبّي عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين“(۱) (چاند دیکھ کر روزہ رکھو، چاند دیکھ کر روزوں کا سلسلہ روکو، اگر چاند تمہارے لئے چھپا دیا جائے تو شعبان کی تعداد تیس مکمل کرو)۔

”محمد بن زیادؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”صوموا لرؤيته وأفطروا لرأيته فان غمى عليكم الشهر فعدوا ثلاثين“(۲)۔

(۱) صحیح بخاری، ۶/۴۸۱

(۲) صحیح مسلم، ۵/۳۵۵

(چاند دیکھ کر روزہ رکھو، چاند دیکھ کر روزوں کا سلسلہ روکو، اور اگر تمہارے لئے مہینہ (کا معاملہ) پوشیدہ ہو جائے تو تیس کی تعداد پوری کرو)۔

یہاں پر یہ بتانا مناسب ہے کہ ان احادیث کے ابتدائی جملے تو یکساں ہیں، لیکن آخری حصے میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے، اور یہ وہی حصہ ہے جو تعداد کی تکمیل سے متعلق ہے، اس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ راویوں نے ان روایات کی اپنے فہم کے مطابق تشریح کر دی ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے، نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ ان روایات میں سے کچھ صحیح بھی نہیں ہیں۔

یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ استدلال سابق میں جو دو روایتیں بخاری اور مسلم کے حوالے سے اوپر گزری ہیں وہ دونوں محمد بن زیاد عن ابی ھریرہ کی سند سے ہی مروی ہیں، دونوں کا ابتدائی حصہ یکساں ہے، لیکن آخری حصہ میں اختلاف ہے۔ بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں: ”فان غبّي عليكم فأكملوا عده شعبان ثلاثين“ اور مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں: ”فان غمي عليكم الشهر فعدوا ثلاثين“۔

ہم دیکھتے ہیں کہ:

۱۔ بخاری کی روایت میں ”فان غبّي عليكم“ جب کہ مسلم کی روایت میں ”غمي عليكم الشهر“ ہے، اور ان دونوں کے معنی میں تھوڑا سا فرق ہے۔

۲۔ بخاری کے الفاظ ہیں: ”فأكملوا عدة شعبان ثلاثين“، اور مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں: ”فعدوا ثلاثين“، یعنی بخاری کی روایت میں شعبان کو تیس دن کا ماننے کا حکم ہے، جب کہ مسلم کی روایت میں کسی مہینہ کا نام مذکور نہیں ہے، اس حدیث کی بعض روایات میں شعبان کو تیس دن کرنے کی بات کہی گئی ہے اور بعض میں رمضان کو۔

امام احمدؒ نے ایسی متعدد احادیث روایت کی ہیں:



”سماک بن حربؒ عکرمہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: ”چاند دیکھ کر روزوں کا آغاز کرو اور چاند دیکھ کر روزوں کے سلسلہ کا اختتام کرو، اگر تمہارے اور چاند کے درمیان بادل آ جائیں تو تیس کی تعداد مکمل کرو، اور مہینہ کا آغاز نہ کرو“۔ راوی حاتم کہتے ہیں کہ اس حدیث میں ماہ شعبان کے ایام کی تعداد تیس کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔(۱)

ایک راوی حدیث نے اس روایت میں بھی اپنے فہم کو داخل کیا ہے۔

”سماک بن حرب عکرمہ سے اور وہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”چاند دیکھ کر روزوں کا آغاز کرو، اور چاند دیکھ کر روزوں کے سلسلہ کا اختتام کرو، اگر بادل حائل ہو جائیں تو تعداد مکمل کرو، اور مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے، یعنی ناقص ہوتا ہے“(۲)

قابل غور بات یہ ہے کہ یہ دونوں درج بالا حدیثیں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہیں، اور خاص طور پر قابل ذکر بات یہ ہے کہ امام احمد نے یہ دونوں روایتیں سماک بن حرب عن عکرمۃ عن ابن عباس کی سند سے ہی روایت کی ہیں، لیکن یہاں بھی آخری جملے مختلف ہیں، پہلی حدیث کے آخر میں ہے، ”اگر تمہارے اور چاند کے درمیان بادل آ جائیں تو تیس کی تعداد مکمل کرو، اور مہینہ کا آغاز نہ کرو، راوی حاتم کہتے ہیں کہ اسی حدیث میں شعبان کے ایام کی تعداد تیس کرنے کا حکم دیا گیا ہے“۔

جب کہ دوسری حدیث کا آخری حصہ یوں ہے: ”اگر بادل حائل ہو جائیں تو تعداد مکمل کرو، اور مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے، یعنی ناقص ہوتا ہے“۔ ان دونوں حدیثوں میں راویوں

(۱) مسند احمد: ۴/۴۱۳

(۲) حوالۂ بالا: ۵/۲۵۱

نے آخر میں حدیث کی تشریح کی ہے۔

"عطا حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چاند دیکھ کر روزوں کے سلسلہ کا اختتام کرو اور اگر مہینہ کا معاملہ تمہارے لئے پوشیدہ ہوجائے تو تیس کی تعداد مکمل کرو"۔(۱)

"محمد بن زیاد حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ روزوں کا آغاز چاند دیکھ کر کرو، اور چاند دیکھ کر روزوں کے سلسلہ کا اختتام کرو، اور اگر تمہارے لئے پوشیدہ ہوجائے، تو تیس کی تعداد مکمل کرو"(۲)۔

"محمد بن زیاد کہتے ہیں میں نے حضرت ابو ہریرہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یا انہوں نے کہا: ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چاند دیکھ کر روزوں کا آغاز کرو، اور چاند دیکھ کر روزوں کے سلسلہ کا اختتام کرو، اور اگر تمہارے لئے پوشیدہ ہوجائے تو تیس کا عدد شمار کرو"(۳)

یہ تینوں حدیثیں امام احمدؒ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہیں، دو محمد بن زیاد کی سند سے اور ایک عطا کی سند سے۔

یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ ان تینوں روایتوں کا آخری حصہ بخاری کی اس روایت سے مختلف ہے جو انہوں نے محمد زیاد کی سند سے حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کی ہے، بخاری کی روایت میں "غُبّی علیکم" کے الفاظ ہیں اور یہاں "غُمَّ" ہے، بخاری کی روایت میں شعبان کا نام لے کر یہ حکم دیا گیا ہے کہ اسے تیس دن کا مان لو" أکملوا عدة شعبان ثلاثین"،

(۱) حوالہ بالا:۱۹/۱۳۷

(۲) حوالہ بالا:۵/۲۳۱

(۳) حوالہ بالا:۵/۵۰



جب کہ مسند احمد کی روایت میں شعبان کا نام نہیں لیا گیا ہے،"أکملوا العدة ثلاثین" اور "فعدوا ثلاثین"۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی امام احمد کی درج کردہ یہ تینوں روایتیں بھی باہم کچھ اختلاف رکھتی ہیں، ان کے الفاظ میں تھوڑا بہت اختلاف ہے، پہلی اور دوسری روایت میں ہے" فأکملوا العدة ثلاثین"(تو تیس کی تعداد مکمل کرو)، جب کہ تیسری روایت میں ہے:" فعدوا ثلاثین"(تو تیس کا عدد شمار کرو)، اسی طرح پہلی حدیث میں ہے:"فان غم علیکم الشهر"(اگر مہینہ کا معاملہ تمہارے لئے پوشیدہ ہوجائے)، جب کہ دوسری روایت میں ہے:" فان غم علیکم"(اگر تمہارے لئے پوشیدہ ہوجائے)۔

"شعبہ محمد بن زیاد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابو ہریرہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" روزوں کا آغاز نہ کرو جب تک کہ چاند نہ دیکھ لو، اور رزوں کا سلسلہ نہ چھوڑو جب تک کہ چاند نہ دیکھ لو، اور آپؐ نے فرمایا چاند دیکھ کر روزوں کا آغاز کرو، اور چاند دیکھ کر روزوں کے سلسلہ کا اختتام کرو، اگر تمہارے لئے پوشیدہ ہوجائے تو تیس کا عدد شمارہ کرو"۔

شعبہ کہتے ہیں: میرا تو زیادہ سے زیادہ علم یہی ہے کہ انہوں نے فرمایا: روزوں کا آغاز نہ کرو جب تک کہ چاند نہ دیکھ لو، اور روزوں کا سلسلہ نہ چھوڑو جب تک کہ چاند نہ دیکھ لو۔(۱)

آخر حدیث میں شعبہ کا استدراک درج ہے، لیکن یہ واضح نہیں ہے کہ اپنے اس جملہ سے ان کی کیا مراد ہے:" میرا تو زیادہ سے زیادہ علم یہی ہے کہ انہوں نے فرمایا: روزوں کا آغاز نہ کرو جب تک کہ چاند نہ دیکھ لو، اور روزوں کا سلسلہ نہ چھوڑو جب تک چاند نہ دیکھ لو"۔
اور یہ بھی نہیں واضح کہ:" انہوں نے فرمایا" کہہ کر شعبہ نے کس کو مراد لیا ہے، آپؐ کو، محمد بن

(۱) حوالہ بالا:۲۰/۴۸

زیاد کو یا حضرت ابوہریرہ کو؟ ہمارا خیال یہ ہے کہ شعبہ کے اس استدراک سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ انہیں اس سلسلہ کی مختلف روایات کے آخری حصہ میں پائے جانے والے اختلاف کا احساس تھا۔

پھر ایک بار یہ بات کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان احادیث کے پہلے حصہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے، خواہ یہ حصہ منفی جملہ کی صورت میں ہو یا مثبت جملہ کی صورت میں، جب کہ دوسرے حصہ میں اختلاف ہے، حدیث کے اس حصہ میں اکثر روایات کے الفاظ بخاری کی روایت سے مختلف اور مسلم کی روایت سے ہم آہنگ ہیں۔

درج ذیل احادیث بھی ان احادیث کے متون کے بعض اختلافات کو واضح کرتی ہیں:

''حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مہینہ (یعنی رمضان) سے ایک دو دن پہلے روزے نہ رکھا کرو، الا یہ کہ وہ کوئی ایسے دن ہوں جن میں تمہارا معمول روزہ رکھنے کا ہے، چاند دیکھ کر روزوں کا آغاز کرو، چاند دیکھ کر روزوں کے سلسلہ کا اختتام کرو، اور اگر تمہارے لئے معاملہ پوشیدہ ہوجائے تو تیس کا عدد شمار کرو، پھر روزوں کا سلسلہ ختم کرو''(۱)۔

درج بالا حدیث میں ''یعنی رمضان'' کے الفاظ بتاتے ہیں کہ راوی نے صرف الفاظِ نبوی کو نقل کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اپنی جانب سے کچھ تشریح بھی شامل کردی ہے، نیز ہم دیکھتے ہیں کہ اس حدیث میں رمضان کو تیس دن کا ماننے کا حکم ہے، جب کہ اس سے پہلے کی روایات میں رمضان کی صراحت کے ساتھ یہ حکم نہیں تھا۔

''قیس بن طلق اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے چاند کو لوگوں کے لئے اوقات کی تعیین کا ذریعہ بنایا ہے، تم اسے دیکھ کر روزے رکھا کرو، اور اسے دیکھ کر روزوں کے سلسلے کا اختتام کیا کرو، اور اگر تم پر معاملہ پوشیدہ ہوجائے تو مدت

(۱) حوالۂ بالا: ۱۹/۳۲۰



مکمل کرو''(۱)

''حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''چاند دیکھ کر روزوں کا آغاز کرو، اور چاند دیکھ کر روزوں کے سلسلہ کا اختتام کرو اور اگر تم پر معاملہ پوشیدہ ہوجائے تو تیس کی تعداد مکمل کرو''(۲)

''حسین بن الحارث الجدلی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: عبدالرحمان بن زید بن خطاب نے یوم شک میں خطاب کرتے ہوئے کہا: سنو! میں نے صحابہ کی صحبت اٹھائی ہے، اور اس سلسلہ میں ان سے دریافت کیا ہے، سنو! انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزوں کا سلسلہ ختم کرو، اور اگر تمہیں اس کی بابت شک ہو اور معاملہ تمہارے لئے پوشیدہ ہو تو تیس کا عدد مکمل کرو، اور اگر دو مسلمان گواہ گواہی دیں تو روزوں کا آغاز کرو، اور روزوں کے سلسلہ کا اختتام کرو''۔(۳)

ان احادیث میں متعدد اضافی امور درج ہوگئے ہیں، ان میں یوم الشک کا تذکرہ آگیا ہے، اور حضرت طلق والی روایت میں ''أتموا'' کا لفظ ہے، جب کہ دیگر روایات میں ''أکملوا'' یا ''عدوا'' کا لفظ ہے۔

پھر یہ فقہی مسئلہ زیر بحث آگیا ہے کہ کتنے گواہ مطلوب ہیں، ایک یا دو؟ مثلاً حضرت زید بن خطاب کی روایت میں یہ مذکور ہے کہ دو گواہ مطلوب ہیں، جیسا کہ امام مالکؒ کی رائے ہے، عبدالرحمٰن بن زید کی روایت میں ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اس صحابی کا نام نہیں ذکر کیا ہے جس سے انہوں نے یہ حدیث سنی ہے، بس یہ کہا ہے کہ ایک صحابی سے انہوں نے یہ حدیث سنی ہے۔

''محمد بن زیاد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے

(۱) حوالۂ بالا: ۳۳/۲۸

(۲) حوالۂ بالا: ۱۹/۲۳۱

(۳) حوالۂ بالا: ۳۸/۳۵۵

ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: ''صوموا الهلال لرؤيته......'' چاند دیکھ کر روزوں کا آغاز کرو، اور چاند دیکھ کر روزوں کے سلسلہ کا اختتام کرو، اور اگر تمہارے لئے معاملہ پوشیدہ ہو جائے تو تیس کا عدد شمار کرو''(۱)

خیال رہے کہ محمد بن زیاد نے بھی (بخاری کی روایت کی طرح) یہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کی ہے، لیکن حدیث کے الفاظ میں فرق ہے، یہاں ''الهـــلال'' کا لفظ ہے، وہاں نہیں ہے، ''غبی علیکم'' کی جگہ ''غُمَّ علیکم'' کے الفاظ ہیں، اور آخر میں ''عدوا ثلاثين'' (تیس کا عدد شمار کرو) ہے، جب کہ بخاری کی روایت میں ''فأكملوا عدة شعبان ثلاثين'' (تو شعبان کے ایام کی تعداد تیس مانو)، اسی طرح مسلم کی روایت سے بھی اختلاف ہے، یہاں ''الهلال'' کا لفظ ہے، مسلم کی روایت میں نہیں ہے، یہاں ''غم عليكم'' ہے، مسلم میں ''غمي عليكم الشهر'' کے الفاظ ہیں۔

''حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (یعنی) چاند دیکھ کر روزوں کا آغاز کرو، اور اسے دیکھ کر ہی روزوں کا سلسلہ ختم کرو، اور اگر معاملہ تم پر پوشیدہ ہو تو تیس کا عدد مکمل کرو، مہینہ اتنے، اتنے اور اتنے دن کا ہوتا ہے، یہ کہتے ہوئے آپ نے (تیسری مرتبہ میں ایک انگلی کو) بند کر لیا''(۲)۔

حدیث کے آغاز میں لفظ ''یعنی'' کے استعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ راوی حدیث نے صحابی راوی کے اصل الفاظ نقل نہیں کئے ہیں، بلکہ کچھ تبدیلی کر دی ہے، نیز اس حدیث کے آخر میں اس جملہ کا بھی اضافہ ہے کہ: مہینہ اتنے، اتنے اور اتنے دن کا ہوتا ہے، یہ کہتے ہوئے آپ نے (تیسری مرتبہ میں ایک انگلی کو) بند کر لیا''۔

(۱) حوالۂ بالا: ۱۹/ ۵۰

(۲) حوالۂ بالا: ۴۱/ ۳۹۶



''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مہینہ (رمضان) سے ایک دو دن پہلے روزہ نہ رکھا کرو، الا یہ کہ وہ کوئی ایسا دن ہو کہ تمہارا معمول اس دن روزہ رکھنے کا ہو، چاند دیکھ کر روزوں کا آغاز کرو، اور چاند دیکھ کر روزوں کے سلسلہ کا اختتام کرو، اگر مہینہ تمہارے لئے پوشیدہ ہو تو تیس کا عدد شمار کرو اور پھر روزوں کا سلسلہ ختم کرو''۔

امام ترمذی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں، ''بعض اصحاب نبیؐ'' سے اس کے ہم معنیٰ ایک روایت ہے، مزید لکھتے ہیں: ''ابو ہریرہؓ کی حدیث حسن صحیح ہے، اہل علم کے یہاں اس پر عمل ہے، رمضان سے ایک دو دن پہلے روزے رکھنا علما کے نزدیک ناپسندیدہ ہے، ہاں اگر کوئی شخص کسی دن روزہ رکھتا ہو اور اتفاق سے وہ دن آ جائے تو ان کے نزدیک اس کے لئے اس دن روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے''۔(۱)

اکثر روایات میں شعبان کو تیس دن کا ماننے کا حکم ہے، لیکن اس روایت میں ہم دیکھتے ہیں کہ رمضان کو تیس دن کا ماننے کا حکم دیا گیا ہے، نیز اس حدیث کا یوم الشک کے روزے کے حلال یا حرام ہونے کے مسئلہ سے بھی تعلق ہے۔

''سماک بن حرب عکرمہ سے اور وہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رمضان سے قبل روزے نہ رکھو، چاند دیکھ کر روزوں کا آغاز کرو، چاند دیکھ کر روزوں کے سلسلہ کا اختتام کرو، اگر بادل آ جائیں تو تیس دن مکمل کرو، (امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد تحریر کیا: اس باب سے متعلق) حضرت ابو ہریرہؓ، ابوبکرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کی روایتیں ہیں، امام ترمذی نے فرمایا: ابن عباس کی حدیث حسن صحیح ہے، اور متعدد سندوں سے ان سے مروی ہے''۔(۲)

(۱) سنن ترمذی: ۳/ ۱۰۶

(۲) حوالۂ بالا: ۳/ ۱۱۳

"حاتم بن ابی صغیرہ سماک بن حرب سے روایت کرتے ہیں: ایک دن کی بابت مجھے یہ شک تھا کہ وہ شعبان کا ہے یا رمضان کا، میں نے روزہ رکھ لیا، عکرمہ کے پاس آیا تو وہ روٹی سبزی کھا رہے تھے، مجھے دیکھ کر بولے آؤ کھانا کھالو، میں نے کہا کہ میں روزے سے ہوں، یہ سن کر بولے میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ تمہیں یہ روزہ توڑنا ہوگا، جب میں نے دیکھا کہ انہوں نے بغیر کسی استثنا کے قسم کھائی ہے تو میں نے آگے بڑھ کر معذرت کی، میں پہلے ہی سحری کر چکا تھا، پھر میں نے کہا کہ آپ کے پاس اس سلسلہ میں جو دلیل ہو وہ لائیے، انہوں نے کہا: ہم سے ابن عباس نے یہ روایت کیا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "چاند دیکھ کر روزوں کا آغاز کرو اور چاند دیکھ کر روزوں کے سلسلہ کا اختتام کرو، اگر تمہارے اور چاند کے درمیان بادل آجائیں تو تیس کی تعداد مکمل کرو، اور مہینہ (رمضان) سے پہلے روزے نہ رکھو" (۱)

"منصور بن معتمر ربعی بن حراش سے اور وہ حضرت زبیرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مہینہ (رمضان) سے متصلا پہلے روزہ نہ رکھو، یہاں تک کہ چاند دیکھ لو یا تیس کا عدد مکمل کرلو، پھر روزوں کا آغاز کرو یہاں تک کہ چاند دیکھ لو یا تیس کا عدد مکمل کرلو"، امام ابوداؤد نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے۔ "سفیان وغیرہ نے یہ حدیث منصور عن ربعی عن رجل من اصحاب النبی صلی الله علیه و سلم کی سند سے نقل کی ہے، حضرت حذیفہ کا نام نہیں لیا ہے" (۲)۔

"زائدہ سماک سے، وہ عکرمہ سے، اور وہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مہینہ (رمضان) سے ایک دو دن بیشتر روزے نہ رکھو، الا یہ کہ کوئی ایسا دن ہو جس دن تم میں سے کسی کا روزہ رکھنے کا معمول ہو، جب تک چاند نہ دیکھ لو، روزہ

(۱) دارمی، عبداللہ بن عبدالرحمان بن فضل، سنن الدارمی، بیروت: دارالکتاب العربی، ۵/۱۶۶، طبع اول

(۲) سنن ابوداود: ۶/۲۶۳



نہ رکھو، اور پھر اگلا چاند دیکھنے تک روزے رکھو، اگر مطلع ابر آلود ہو جائے تو تیس دن کی مدت مکمل کرو، پھر روزوں کا سلسلہ ختم کرو، اور مہینہ (بسا اوقات) ۲۹ کا ہوتا ہے، امام ابوداؤد اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "حاتم بن ابی صغیرہ، شعبہ اور حسن بن صالح نے اسے سماک سے روایت کیا ہے، لیکن ان کی روایتوں میں "پھر روزوں کا سلسلہ ختم کرو" نہیں ہے، امام ابوداؤد کہتے ہیں "یہ حاتم بن مسلم بن ابی صغیرہ ہیں، اور ابو صغیرہ ان کی والدہ کے شوہر ہیں"۔ (۱)

گزشتہ روایات سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ ان ہی صحابہ سے ان ہی سندوں سے مروی بعض روایات میں کچھ اضافے ہوگئے ہیں، چاند دیکھ کر روزوں کے آغاز اور اختتام کی بابت سلبی یا ایجابی طور پر ان تمام روایات میں تاکید کی گئی ہے، دوسرے پہلو سے دیکھیں تو ان روایات میں شدید اختلافات ہیں، بعض راویوں کو راوی صحابی کے نام کے سلسلہ میں تذبذب ہے، یا کم از کم انہوں نے راوی صحابی کا نام ذکر نہیں کیا ہے، جیسے سنن ابوداؤد کی پچھلی سے پیشتر حدیث میں۔

"منصور ربعی بن حراش سے اور وہ حضرت حذیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مہینہ (رمضان) سے متصلا پہلے روزے نہ رکھو، یہاں تک کہ چاند دیکھ لو، یا تیس کا عدد مکمل کرلو، پھر روزے رکھو، یہاں تک کہ چاند دیکھ لو، یا تیس کا عدد مکمل کرلو" (۲)

"زائدہ سماک سے، وہ عکرمہ سے، اور وہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مہینہ (رمضان) سے ایک دو دن پہلے روزے نہ رکھو، الا یہ کہ کوئی ایسا دن ہو جس دن تم میں سے کسی کا روزہ رکھنے کا معمول ہو، جب تک چاند نہ

(۱) حوالۂ بالا: ۶/۲۶۵

(۲) ابن حبان، صحیح ابن حبان، بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۹۹۳، ۱۴/۱۴۱۷

دیکھ لو، روزہ نہ رکھو، اور پھر اگلا چاند دیکھنے تک روزے رکھو، اگر مطلع ابر آلود ہو جائے تو تیس دن کی مدت مکمل کرو، پھر روزوں کا سلسلہ ختم کرو، اور مہینہ (بسا اوقات) ۲۹ دن کا ہوتا ہے۔

ابوداؤدؒ نے کہا ہے: حاتم بن ابی صغیرہ، شعبہ اور حسن بن صالح نے اسے سماک سے روایت کیا ہے، لیکن ان کی روایتوں میں ''پھر روزوں کا سلسلہ ختم کرو'' نہیں ہے۔

شیخ نے کہا: اسے ابوعوانہ نے سماک سے مختصراً روایت کیا ہے، اور اس میں تعداد کی تکمیل کو شعبان کے سلسلے میں ذکر کیا ہے''(۱)

زیر غور مسئلہ سے متعلق میں نے بہت سی احادیث ذکر کی ہیں جو حدیث کی معروف کتابوں میں نقل کی گئی ہیں، اسی طرح میں نے مختلف روایات کے درمیان پائے جانے والے اختلافات کا بھی تذکرہ کیا ہے، ان احادیث سے ہماری اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ ان کے آغاز میں یکسانیت ہے، لیکن ان کے آخری جملوں میں اختلاف پایا جاتا ہے، ہم نے یہ بھی دیکھا کہ یہ اختلافات ایک ہی سند اور روایت سے مروی احادیث میں بھی ہیں۔

اسی لئے بقول احمد شفاعت یہ بھی ممکن ہے کہ ان روایات کے آخری حصہ میں پائے جانے والے اختلاف کی وجہ یہ ہو کہ راویوں نے حدیث کی تشریح اور اس کی بابت اپنے خاص فہم کا اضافہ کیا ہے، صرف رسول اکرمؐ کے ارشاد کے نقل کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے۔(۲)

اب ہم مطلع ابر آلود ہونے یا واضح رویت نہ ہونے کی صورت میں شعبان یا رمضان کو تیس دنوں کا ماننے پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں، جمہور علما کے نزدیک اسلامی مہینوں کی بابت آغاز و اختتام کی تعیین کے لئے صرف دو ہی طریقے صحیح ہیں، ایک آنکھ کی رویت، اور دوسرا تعداد کی تکمیل۔

(۱) بیہقی، السنن الکبری، مکتبۃ دار الباز، ۱۴۱۴ھ، ۴/ ۲۰۷

(۲) شفاعت احمد، A Study of Ahadith about delerminalion of islamic dates, www.islamicperspeclives.com, مطبوعہ: اکتوبر، ص: ۱۳



خیال رہے کہ اس سلسلے کی احادیث میں رویت سے متعلق حصہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے، جب کہ مہینہ کو تیس دن کا مکمل ماننے سے متعلق روایات کا حصہ ہی وہ حصہ ہے جس کی بابت اختلاف پایا جاتا ہے، ان ہی مختلف روایات کو بنیاد بنا کر جمہور نے'' فاقدروا لہ'' کے معنیٰ کی تعیین کی ہے، یہ الفاظ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث میں وارد ہوئے ہیں، فقہا نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں درج جملہ'' فان غم علیکم فاقدروا لہ'' کے معنی فقہا نے تیس دن مکمل کرنا بتائے ہیں، اور اس کا مطلب شمار کرنا اور حساب کرنا بتایا ہے، یہ روایت کی ظاہری حرفی تشریح ہے، امام نوویؒ کہتے ہیں:

''جمہور نے ہماری ذکر کردہ روایات سے استدلال کیا ہے، یہ تمام روایات صحیح ہیں، جن میں یہ الفاظ ہیں:'' فأکملوا العدة ثلاثین واقدروا له ثلاثین''، یہ الفاظ اس روایت کی تشریح کر دیتے ہیں جس میں صرف'' فاقدروا لہ'' روایت کیا گیا ہے''(۱)۔

یہاں پر یہ ذکر کرنا لازمی ہے کہ'' فاقدروا لہ'' کی تشریح میں فقہا کے درمیان اجماع نہیں ہے، اس لئے کہ امام احمدؒ نے اس عبارت کی تشریح یوں کی ہے:'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مہینہ کو (۲۹ تک) محدود کرو، اور چاند کو زیر ابر مانو''۔(۲)

خود امام نوویؒ نے ذکر کیا ہے کہ امام احمدؒ اور بعض دوسرے علما نے اس کے معنی تیس دن کی تکمیل کے بجائے محدود کرنا اور مہینہ کو انتیس دن کا ماننا بتایا ہے۔ ان حضرات کے نزدیک اس کا مطلب ہے کہ ایسی صورت میں رمضان کو ۲۹ دنوں کا مانا جائے، اور یہ مانا جائے کہ چاند نکل آیا ہے لیکن وہ بادلوں کے پیچھے ہے، اسی لئے امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ مطلع ابر آلود ہونے اور اس کی وجہ سے رویت نہ ہو سکنے کی صورت میں ۲۹ شعبان کے بعد والے دن کو رمضان مانا جائے، یعنی

(۱) نووی، المجموع شرح المہذب، ۶/ ۲۷۰

(۲) حوالۂ بالا۔

امام احمدؒ کے نزدیک ''فاقدروا له'' کا مطلب شعبان کو ۲۹ تک محدود کرنا ہے۔ ابوداؤد نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عمر کا عمل بھی ''فاقدروا له'' کی بابت اسی فہم کی بنیاد پر تھا۔

نافع حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مہینہ انتیس دنوں کا ہوتا ہے، لہذا جب تک چاند نہ دیکھ لو روزہ نہ رکھو، اور جب تک چاند نہ دیکھ لو روزوں کے سلسلہ کو ختم نہ کرو، اگر مطلع ابر آلود ہو تو تیس دن کا اندازہ کرو، نافع کہتے ہیں: انتیس شعبان کو حضرت ابن عمر کے لئے چاند دیکھنے کا اہتمام کیا جاتا، اگر وہ نظر آجاتا تو کوئی مسئلہ نہ ہوتا، لیکن اگر نظر نہ آتا اور مطلع ابر آلود یا غبار آلود نہ ہوتا تو آپ روزہ نہ رکھتے، لیکن مطلع ابر آلود یا غبار آلود ہوتا تو روزہ رکھتے۔ نافع کہتے ہیں: ابن عمر لوگوں کے ساتھ عید الفطر کرتے اور اس حساب پر عید کے سلسلہ میں عمل نہ کرتے''(۱)۔

اسی طرح امام بیہقی کی روایت ہے:

''حماد بن زید ایوب سے انہوں نے نافع سے اور نافع نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے، چاند دیکھ کر روزوں کا آغاز کرو، اور چاند دیکھ کر روزوں کا اختتام کرو، مطلع ابر آلود ہو تو'' فاقدروالہ'' (اس کا اندازہ کرو مہینہ کو انتیس تک محدود کرو)۔

حماد نے ایوب سے اپنی روایت میں اضافہ کیا ہے کہ: نافع نے کہا: ۲۹ رمضان کے غروب آفتاب کے بعد ابن عمر کے لئے چاند دیکھے جانے کا اہتمام کیا جاتا، اگر نظر آجاتا تو کوئی مسئلہ نہ ہوتا، لیکن اگر نظر نہ آتا اور مطلع ابر آلود یا غبار آلود نہ ہوتا تو آپ روزہ نہ رکھتے، لیکن اگر مطلع ابر آلود یا غبار آلود ہوتا تو تو روزہ رکھتے، اور عید الفطر کے سلسلے میں وہ اس حساب پر عمل نہ کرتے، عید لوگوں کے ساتھ ہی کرتے، حماد کہتے ہیں، ابن عوف کا بیان ہے کہ میں نے ابن عمر کا یہ عمل محمد بن

(۱) سنن ابوداود، ۶/۲۵۶



سیرین سے نقل کیا تو انہوں نے اس کو پسند نہیں فرمایا، امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں زہیر بن حرب کی سند سے اسماعیل بن علیہ سے یہ روایت نقل کی ہے، اس میں ابن عمر کے طریقۂ کار کا تذکرہ نہیں ہے''۔(۱)

یہ روایت کئی اعتبار سے بہت اہم ہے:

اول: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود ابن عمر مہینہ کو تیس دن کے کرنے کے قائل نہیں تھے، بعض فقہاء نے ''ولا یأخذ بهذا الحساب'' کی تشریح یہ کی ہے کہ ابن عمر فلکی حساب کا اعتبار نہیں کرتے تھے، یہ تشریح ہے، صاحب عون المعبود نے وضاحت کی ہے کہ ابن عمر روزوں کا اختتام عام مسلمانوں کے ساتھ کرتے تھے، اور رمضان کے روزوں کا آغاز وہ جب سے کرتے تھے اس وقت سے دنوں کی تعداد (عید کے لئے) نہیں شمار کرتے تھے۔

اگر (عامۃ المسلمین کے نزدیک) رمضان انتیس کا ہوتا تو وہ اپنے پہلے روزے کو تیس کے عدد کی تکمیل مان لیتے، اور اگر عامۃ المسلمین کے نزدیک رمضان تیس دن کا ہوتا تو وہ اپنے پہلے روزے کو شعبان کا نفلی روزہ مان لیتے تھے۔ یہ اس عبارت کی صحیح تشریح ہے۔

دوم: یہ روایت حضرت ابن عمر سے مروی بلکہ زیر بحث سے متعلق تمام روایات میں تنہا وہ روایت ہے جس میں ''فاقدروا له ثلاثين'' کے الفاظ ہیں۔

اور آگے چل کر ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ ابن عمرؓ کی یہ روایت وہ اکیلی روایت ہے جس میں مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں تیس دنوں کی تکمیل کی بات ہے، جب کہ حضرت ابن عمرؓ سے مروی بقیہ روایات میں صرف '' فاقدروا له'' کے الفاظ ہیں۔ جن کی تشریح جمہور کے ذریعہ اس حدیث کی روشنی میں کی گئی ہے، لیکن یہ روایت شاذ ہے، اور خود باہم متضاد ہے، اس لئے کہ حضرت ابن عمرؓ کا عمل ان کی روایت کے برعکس ہے، جس کا تقاضہ ہے کہ مطلع ابر آلود ہونے کی

(۱) بیہقی، السنن الکبری، ۴/۲۰۴

صورت میں شعبان کو تیس دن کا مانا جائے، افق میں غیر واضح رویت کی صورت میں ۲۹ شعبان کے اگلے دن روزہ رکھتے تھے۔

حنبلی فقیہ ابن قدامہ کا خیال ہے کہ ابن عمرؓ نے اپنے ذاتی عمل کے ذریعہ صحیح معنیٰ کی تشریح کی ہے، یہ خیال رکھنا ضروری اور لازمی ہے کہ وہی اس حدیث کے اصل راوی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں مہینہ کو تیس دن کا ماننا لازمی ہے۔

''اقدروا له'' کا مطلب ہے تعداد کو انتیس تک محدود رکھنا، یہ لفظ اس معنیٰ میں قرآن مجید میں بھی استعمال ہوا ہے: ''ومن قدر عليه رزقه'' (اور جس کا رزق اس پر تنگ کر دیا گیا)، اور ''يبسط الرزق لمن يشاء ويقدر'' (اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق کو وسیع کرتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے)، مہینہ کو تنگ کرنے کا مطلب ہے کہ اس کو انتیس کا مانا جائے، ابن عمرؓ (راوی حدیث) نے اپنے عمل سے اس کی تشریح کی ہے، اور وہی اس کی مراد سے زیادہ واقف تھے، لہٰذا اس کا اعتبار لازمی ہے''۔(۱)

ابن حزم ظاہریؒ کہتے ہیں:

''ابو محمد نے کہا: ابن عمرؓ ہی اس روایت کے راوی ہیں کہ جب تک چاند نظر نہ آجائے روزہ نہ رکھا جائے، پھر وہ وہ کر رہے ہیں جو ہم نے ذکر کیا۔(۲)

کیا عقلاً اس بات کا کوئی امکان ہے کہ ابن عمر اپنے اعمال میں ان احکام نبوی کی مخالفت کریں جو انہوں نے خود روایت کئے ہیں، نیز دیگر متعدد صحابہ و تابعین بھی اسی طریقۂ کار پر عمل پیرا تھے، تاکہ رمضان کا ایک دن ضائع نہ ہو، ابن قدامہ نے لکھا ہے:

''مسئلہ: کہتے ہیں: ''اگر مطلع ابر آلود یا غبار آلود ہو تو اگلے دن کا روزہ لازم ہوگا، اگر یہ

(۱) ابن قدامہ: المغنی فی شرح الخرقی، ۶/۳۸

(۲) ابن حزم، المحلیٰ، تحقیق: احمد محمد شاکر، مصر: دار التراث، ۱۳۵۰ھ، ۷/۲۴



دن ماہ رمضان میں سے ہوگا تو یہ روزہ اس کے لئے کافی ہو جائے گا''، اس مسئلہ کی بابت امام احمدؒ سے مختلف روایتیں منقول ہیں، ایک روایت وہ ہے جو خرقی نے نقل کی ہے، ہمارے اکثر علما نے اسی کو اختیار کیا ہے، یہ حضرات عمر، ابن عمر، عمرو بن العاص، ابو ہریرہ، انس، معاویہ، عائشہ، اسماء بنت ابی بکر کا مسلک ہے، یہی رائے بکر بن عبداللہ، ابو عثمان نہدی، ابن ابی مریم، مطرف، میمون بن عمران، طاوس اور مجاہد نے اختیار کی ہے۔(۱)

امام نوویؒ نے ذکر کیا ہے کہ ۲۹ رشعبان کو رویت ممکن نہ ہونے کی صورت میں امام احمد ۲۹ شعبان کے اگلے دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیتے ہیں، یہ آٹھ معروف صحابہ اور سات تابعین کی رائے ہے۔

''اثرم، مروزی، مہنا، صالح اور فضل بن زیاد نے امام احمد سے اس دن کے روزہ کو رمضان کے روزہ کے طور پر رکھنے کے وجوب کی روایت کی ہے، ان کا کہنا ہے کہ یہی حضرت عمر، ابن عمر، عمر بن عبدالعزیز، عمرو بن العاص، انس، معاویہ، ابو ہریرہ، عائشہ، اسماء، بکر بن عبداللہ مزنی، ابو عثمان ابن ابی مریم، طاوس، مطرف اور مجاہد کا قول ہے، یہ آٹھ صحابہ اور سات تابعین ہیں''(۲)

مولانا عظیم آبادی صاحب عون المعبود تحریر فرماتے ہیں:

''یہی بات حضرت ابو ہریرہ، ابن عباس، عائشہ اور اسماء سے مروی ہے کہ وہ حضرات اس دن کا روزہ رکھتے تھے، حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں شعبان کے ایک دن کا روزہ رکھوں یہ اس سے بہتر ہے کہ میں رمضان کے ایک دن کا روزہ چھوڑ دوں، حضرت ابن عمرؓ کا مسلک یہ تھا کہ اگر آسمان میں بادل یا غبار ہو تو یوم الشک کا روزہ رکھا جائے، اگر مطلع صاف ہوتا اور چاند کی رویت

(۱) ابن قدامہ: المغنی فی شرح الخرقی، ۳/۷

(۲) نووی، المجموع، ۶/۴۰۸

نہ ہوتی تو وہ بھی لوگوں کے ساتھ روزہ نہ رکھتے تھے‘‘۔(۱)

بعض علمانے اس رائے سے یہ کہتے ہوئے اختلاف کیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ اور دیگر حضرات یوم الشک کا روزہ نفل روزہ کی نیت سے رکھتے ہیں، نہ کہ رمضان کے روزہ کی نیت سے، لیکن یہ تاویل صحیح اور مطابق واقعہ نہیں ہے، اس لئے کہ یہ حضرات اس دن کا روزہ رمضان کے روزہ کی نیت سے رکھتے تھے، نفل روزہ کی نیت سے نہیں، امام احمد کے یہاں اس کی وضاحت ملتی ہے، ان کا کہنا ہے کہ اس دن کے روزہ کو رمضان کے روزہ کی نیت سے رکھنا واجب ہے‘‘۔(۲)

بدرالدین عینی نے یوم الشک کی تحدید کی ہے: ’’علامہ عینی نے کہا ہے: یوم الشک وہ دن ہے، جس دن لوگ رویت ہلال کی باتیں کریں اور رویت ثابت نہ ہوئی ہو، یا ایک آدمی ہی کی گواہی دستیاب ہو اور اس کی گواہی مسترد کردی گئی ہو، یا دو فاسق گواہوں کی گواہی دستیاب ہو اور ان کی گواہی رد کردی گئی ہو‘‘۔(۳)

سوم: کوئی شخص یہ دعویٰ کیسے کرسکتا ہے کہ ’’فاقدروا لہ‘‘ کی صحیح تشریح تیس دنوں کی تکمیل ہے، اور یہی رسول اکرمؐ کا مقصود ہے، اس لئے کہ ہم نے دیکھا ہے کہ اس حدیث کے اصلی راوی ابن عمر کا عمل اس کے برعکس ہے، وہ رویت ہلال کے لئے مطلع صاف نہ ہوسکنے کی صورت میں شعبان کے مہینہ کو تنگ کردیتے تھے (یعنی اسے انتیس کا مانتے تھے) اور ۲۹؍شعبان کے اگلے دن کا روزہ رکھتے تھے، درحقیقت ’’فاقدروا لہ‘‘ کی اس تشریح پر صحابہ کا اجماع نہیں ہے کہ اس سے مراد تیس کے عدد کی تکمیل ہے، اگر ایسا ہوتا تو یہ بالکل واضح بات ہوتی، اور ایسا ہونے کی صورت میں ہم حضرات عبداللہ بن عمر، عائشہ، اسماء رضی اللہ عنہم و دیگر صحابہ کے موقف کی کیا تشریح

(۱) عظیم آبادی، عون المعبود شرح سنن ابی داود، ۵؍۲۱۱

(۲) عظیم آبادی، عون المعبود شرح سنن ابی داود، ۵؍۱۹۵

(۳) عظیم آبادی، عون المعبود شرح سنن ابی داود، ۵؍۲۱۱



کریں گے؟ کیا یہ ماننا ممکن ہے کہ انہوں نے حکم نبوی کی مخالفت کی۔

چہارم: مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں آنکھ کی رویت کو ضروری قرار دیتے ہوئے ۲۹؍شعبان کے اگلے دن سے رمضان کے روزوں کا آغاز کردینے کی حضرت عبداللہ اور دیگر ممتاز علما کی رائے اس دعوے کو زمیں بوس کردیتی ہے کہ ۲۹ تاریخ کو رویت کے ذریعہ یا پھر تیس کے عدد کی تکمیل کے ذریعہ ہی رمضان و دیگر اسلامی مہینوں کے آغاز ہونے پر علما کا اجماع ہے۔اس لئے کہ حضرت ابن عمر اور امام احمد کی مذکورہ بالا رائے میں رویت یا تکمیل کے اصول کے برخلاف رائے اختیار کی گئی ہے۔

پنجم: صحیحین سمیت متعدد کتب حدیث میں درج روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مہینہ کا آغاز و اختتام بھی رویت یا تیس کے عدد کی تکمیل کے اصول کے بغیر بھی کرلیا کرتے تھے۔

’’حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں سے ایک مہینہ کے لئے ایلاء کیا، پھر جب ۲۹ دن گزر گئے تو آپ ان کے پاس چلے گئے، آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ نے تو ایک مہینہ ان کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی تھی، آپؐ نے فرمایا مہینہ ۲۹ دن کا (بھی) ہوتا ہے‘‘۔(۱)

یعنی آپؐ نے مہینہ کا آغاز و اختتام بغیر چاند دیکھے محض دنوں کے حساب سے کیا، رسول اکرمؐ نے یہ نہیں کہا کہ آپؐ نے چاند دیکھا ہے، حدیث میں یہ بھی مذکور نہیں ہے کہ اس شام مطلع ابر آلود تھا، واضح رہے کہ آپؐ نے مہینہ کو مکمل تیس دن کا نہیں مانا تھا۔

امام بخاریؒ نے اس حدیث کو حضرت انس بن مالکؓ سے بھی روایت کیا ہے:

’’حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایلاء کیا، آپ کا پاؤں

(۱) صحیح بخاری، ۶؍۴۸۲

اکھڑ گیا تھا، آپ بالا خانہ میں انتیس دن رہے، پھر اترے، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے تو ایک مہینہ کے لئے ایلاء کیا تھا، آپؐ نے فرمایا مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے''۔(۱)

امام مسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں سے ایک مہینہ کے لئے کنارہ کشی کی، ۲۹ دن کے بعد آپؐ باہر تشریف لائے، ایک شخص نے عرض کیا کہ آج تو انتیسویں صبح (دن) ہے، آپؐ نے فرمایا: مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے، پھر آپؐ نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے اشارہ کیا، دو مرتبہ تمام انگلیاں کھولیں، اور ایک مرتبہ ایک نہیں کھولی''۔(۲)

مسلم میں یہ روایت حضرت عمر سے بھی یوں روایت کی گئی ہے:

''جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں سے کنارہ کشی اختیار کی.......... میں مسجد میں داخل ہوا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ بالا خانہ میں انتیس دن رہے، آپؐ نے فرمایا مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے، میں نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عورتوں کو طلاق نہیں دی ہے۔''(۳)

امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کر کے اس کو صحیح کہا ہے:

''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں سے ایک مہینہ کے لئے ایلاء کیا، آپ انتیس روز بالا خانہ میں ٹھہرے، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ، آپ نے تو ایک مہینہ کے لئے ایلاء کیا تھا، آپؐ نے فرمایا مہینہ انتیس دن کا (بھی) ہوتا ہے۔ امام ابوعیسیٰ (ترمذیؒ) نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے''(۴)

(۱) حوالۂ بالا، ۳۷۹/۲۰

(۲) مسلم، ۳۶۲/۵

(۳) حوالۂ بالا، ۴۴۱/۷

(۴) ترمذی، ۱۱۶/۳



اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہینہ کا اثبات آنکھ کی رویت یا تیس دن کی تکمیل سے نہ کر کے محض ایام کی تعداد کی بنیاد پر کیا تھا۔

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ اسلامی مہینہ کے ثبوت کے لئے آنکھ کی رویت یا تیس دن کی تکمیل میں سے ایک کے ذریعہ لازمی ہونے پر اجماع امت کا دعوی صحیح نہیں ہے، اس قاعدہ کے متعدد استثناءات ہیں، جو ہمارے نقطۂ نظر کے مؤید ہیں۔ نیز ان دونوں تشریحوں (مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں شعبان یا رمضان کو تیس دنوں کا ماننا جو جمہور کا موقف ہے اور مطلع صاف ہونے کی صورت میں شعبان کے انتیس ایام کے بعد رمضان کو شروع مان لینا جو ابن عمرؓ اور امام احمد کا مسلک ہے) کے نتیجہ میں رمضان کے اختتام کے سلسلے میں کئی طرح کے عملی اختلافات وجود میں آتے ہیں، کبھی رمضان اٹھائیس دن کا ہوگا اور کبھی اکتیس دن کا۔

احمد شفاعت نے ان مشکلوں کا بھرپور تجزیہ کیا ہے، اور یہ ثابت کیا ہے کہ ''فاقدروا له'' سے مراد وقت کا اندازہ کرنا ہے، لیکن اندازہ کرنے کے طریقہ کو متعین ومنضبط نہیں کیا گیا ہے، اس لئے کہ اس کا تعلق دستیاب وسائل ومعلومات سے ہے، جو علاقہ اور زمانہ کے اعتبار سے بدلتے رہتے ہیں۔

بہر حال کچھ لوگوں نے ''فاقدروا له'' کے تنگ معنی لئے ہیں، اور ایک ہی ایسے طریقے پر اصرار کیا ہے، جو آسان ہے اور جس پر تمام حالات میں عمل بہت آسان ہے (رویت یا تیس دنوں کی تکمیل)، یہاں پر ایک سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا دنوں کی تعداد شعبان ورمضان دونوں میں تنگ کی جائے گی؟

اگر شعبان اور رمضان دونوں میں ۲۹ تاریخ کو مطلع صاف نہ ہو تو اس سوال کا جواب چار طریقہ سے دیا جاسکتا ہے، یا تو دونوں مہینے انتیس کے ہوں گے، یا دونوں تیس کے ہوں گے، یا شعبان ۲۹ کا اور رمضان تیس کا، اور یا شعبان تیس کا اور رمضان ۲۹ کا۔

اول: اگر شعبان اور رمضان دونوں میں انتیس تاریخ کو مطلع صاف نہ ہوتو ہم دونوں کو تیس دن کا مانیں گے، ایسی صورت میں آپ کو کبھی بھی تیس دن سے زائد روزے نہیں رکھنے پڑیں گے، ہاں کبھی صرف ۲۸ روزے رکھنے پڑ سکتے ہیں۔

اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ رمضان وشعبان دونوں مہینوں کے ایام کی اصل تعداد (باعتبار چاند کی پیدائش کے) ۲۹ دن ہو، شعبان میں اگر مطلع ابر آلود ہوا اور رمضان میں صاف ہوا، تو ایسی صورت میں شعبان کو تیس دن کا ماننے کی صورت میں رمضان کے ۲۸ روزے ہی ہوسکیں گے۔

جزائر غرب الہند جیسے علاقوں میں عام طور پر مطلع ابر آلود رہتا ہے، ایسی جگہوں پر رمضان ۲۸ یوم سے بھی کم کا ہونے کا امکان ہوگا۔

دوم: دونوں مہینوں کی ۲۹ تاریخ کو مطلع ابر آلود ہوا اور دونوں مہینوں کو اگر حضرت ابن عمر اور ان کے ہم رائے صحابہ وتابعین کے مسلک کے مطابق ۲۹ دن کا مانا جائے تو ایسی صورت میں یہ ناممکن ہے کہ آپ ۲۹ دن سے کم روزے رکھیں، ہاں بسا اوقات ۳۱ یا اس سے زائد روزے رکھنے پڑ سکتے ہیں، بلکہ اس کا بھی امکان ہے کہ عید الفطر کو رمضان میں مانا جائے۔

یعنی اگر بالفرض رمضان حقیقت میں ۳۰ دن کا ہو، اور مطلع شعبان میں ابر آلود اور رمضان میں صاف ہو تو مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں مہینہ کو صرف ۲۹ دن کا مانے جانے کے اصول پر عمل کیا جائے، تو ایسی صورت میں شعبان کو ۲۹ دن کا مانا جائے گا اور اگلے دن روزہ رکھا جائے گا، حالانکہ درحقیقت اس دن ۳۰ شعبان ہوگی، پھر جب ۲۹ رمضان کو مطلع صاف ہوگا تو آپ کے علم میں آئے گا کہ رمضان ختم نہیں ہوا ہے، ایسی صورت میں آپ رمضان میں تیس روزے رکھیں گے اور ایک دن ۳۰ شعبان کا روزہ ہوگا۔

سوم: اگر مطلع شعبان میں ابر آلود ہو، اور آپ مہینہ تیس دن کا مان لیں، پھر رمضان کی ۲۹ کو مطلع ابر آلود ہوا اور آپ نے اسے ۲۹ دن کا مانا تو ایسی صورت میں تیس سے زائد روزے



رکھنا ناممکن ہوں گے، لیکن ۲۸ روزے ہونے کا امکان ہے۔

چہارم: اگر مطلع ۲۹ شعبان کو ابر آلود ہو، اور شعبان کو انتیس دن کا مانا جائے، اور پھر ۲۹ رمضان کو ابر آلود ہوا اور اسے تیس دن کا مانا جائے تو ایسی صورت میں ۲۹ روزوں سے کم ہونے کا تو امکان نہیں ہے، لیکن بسا اوقات ۳۱ روزے ہو سکتے ہیں۔

احمد شفاعت نے بہت اہم کلام کیا ہے، ان کا کہنا ہے: آج ہم میں سے ہر آدمی یہ سمجھتا ہے کہ پہلا احتمال (مطلع ابر آلود ہونے اور رویت ممکن نہ ہونے کی صورت میں شعبان ورمضان کو تیس دن کا ماننا) ہی واحد ممکنہ ومقبول احتمال ہے، لیکن قاری کو یہ جان کر حیرت ہوتی ہے کہ تمام مذکورہ بالا احتمالات ماضی میں فقہائے اسلام کے یہاں پائے جاتے رہے ہیں۔

ماہ رمضان کے آغاز یا اختتام کی بابت روایات میں پائے جانے والے اختلافات فہم وتطبیق کے اس اختلاف کے ذریعہ واضح ہوجاتے ہیں، جس کا تذکرہ درج بالا تجزیہ میں کیا گیا ہے کہ تیس دن کا شعبان ورمضان ماننے کی صورت میں لوگ کسی ایک ممنوع امر کے مرتکب ہوسکتے ہیں، یا تو یکم رمضان کے روزہ کا ضیاع یا عید الفطر کے دن کا روزہ، اور یہ دونوں امور صحیح وصریح احادیث نبویہ میں ممنوع ہیں۔

## فلکی حسابات کے مسترد ہونے پر اجماع کے دعوے کی کمزوری:

اگر چہ اس سلسلہ میں اجماع کا دعویٰ کیا جاتا ہے، لیکن حنابلہ کے علاوہ تینوں فقہی مسالک میں اس کے خلاف کچھ اقوال ضرور مل جاتے ہیں۔

احناف، شوافع اور مالکیہ کے معروف فقہا میں سے چند حضرات نے فلکی حسابات کو غیر معتبر مطلقاً مسترد ہونے کی بنیاد پر نہیں قرار دیا ہے، صرف حنبلی فقہ ہی میں اس کو مکمل طور پر مسترد کیا گیا ہے۔

فقہائے سلف کی ایک محدود اقلیت ماہ رمضان کے آغاز وعدم آغاز کے سلسلہ میں فلکی حسابات کے استعمال کو صحیح قرار دیتی ہے، اس تھوڑی سی تعداد میں مسلسل (بالخصوص ہمارے زمانہ میں) اضافہ ہوتا رہا ہے، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر ان حضرات کی رائے یہ رہی ہے کہ آسمانی سیاروں کی گردش جاننے کے لئے فلکی حسابات ہی قطعی ذریعہ ہیں، اور یہ انسانی آنکھ کی رویت سے کہیں زیادہ صحیح وقابل اعتبار ہے۔ علما کی یہ تعداد دین، قرآن وسنت میں فلکی حسابات کے استعمال سے کچھ مانع نہیں پاتے ہیں، بلکہ یہ حضرات کتاب وسنت کے دلائل اپنے اس موقف کے حق میں دیتے ہیں کہ فلکی حسابات کے استعمال کی بہت اہمیت ہے، ساتھ ہی یہ حضرات عقلی وعملی دلائل بھی دیتے ہیں۔

فلکی حسابات کے استعمال کا مؤید یہ حلقہ دو قسموں پر مشتمل ہے:

پہلی قسم میں شامل علما صرف مطلع ابرآلود ہونے کی صورت میں مہینہ کے آغاز وعدم آغاز کے لئے فلکی حسابات کا اعتبار کرتا ہے، یعنی اگر فلکی حسابات کی رو سے رویت یا چاند کی ولادت ناممکن ہوتی ہے تو یہ علما رویت ہلال کی کسی شہادت کو معتبر نہیں مانتے خواہ گواہ عادل ہی کیوں نہ ہو اور علما کی یہ قسم ماضی قدیم سے یعنی پہلی صدی ہجری سے پائی جاتی ہے، جیسے معروف تابعی فقیہ مطرف بن عبداللہ ابن الشخیر ، ابوالعباس احمد بن عمر بن سریج (متوفی ۳۰۶ھ) اور تقی الدین سبکی (۶۸۳ـ۷۵۶ھ)

معاصر علما میں شیخ یوسف القرضاوی اور دیگر علما کا یہی موقوف ہے۔

دوسری قسم کے علما مہینہ کے آغاز وعدم آغاز کے سلسلے میں فلکی حسابات کو معتبر مانتے ہیں، آنکھ کی رویت فلکی حسابات سے مخالف ہو تو یہ اس کو کچھ حیثیت نہیں دیتے، اس قسم میں گزشتہ صدی کے کچھ اور کچھ معاصر علما ہیں، مثلاً: مصطفیٰ المراغی، شیخ الازہر (۱۹۳۵ـ۱۹۴۵ء)، شیخ احمد بن محمد شاکر بن احمد بن عبدالقادر (۱۸۹۱ـ۱۹۵۷ء)، ۱۹۹۰ کا شاہ فیصل ایوارڈ یافتہ معروف فقیہ



شیخ مصطفیٰ الزرقا (۱۹۰۱ـ۱۹۹۹)، لبنانی عالم فیصل مولوی، معاصر اردنی فقیہ شرف القضاۃ وغیرہ۔

لہذا یہ کہنا ہے کہ مہینہ کے آغاز واختتام کے سلسلہ میں صرف آنکھ کی رویت یا مہینہ کو تیس دن کا مکمل ماننے کا طریقہ ہی پوری امت کی نگاہ میں ایک واحد مقبول طریقہ ہے صحیح نہیں ہے ، اور اس دعوے میں تاریخی حقائق کا خیال نہیں رکھا گیا ہے، شیخ فیصل مولوی لکھتے ہیں: ''ان اقتباسات (جن میں سے بہت سے اقتباسات یہاں درج کئے جاچکے ہیں) سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اس مسئلہ کی بابت وہ اصولی اجماع نہیں پایا جاتا ہے جس کے بعد حکم قطعی ہوجاتا ہے اور اس سے اختلاف صحیح نہیں ہوتا ہے۔ جمہور اصولیین کے نزدیک ایک فقیہ کی مخالفت سے بھی اجماع منعقد نہیں ہو پاتا ہے۔ پھر جب اس مسئلہ میں قرون اولیٰ سے اب تک چند ممتاز علما کا اختلاف رہا ہو تو اجماع کیسے منعقد ہوگا؟ یہ موضوع اجتہاد اور غور وفکر کے قابل ہے، بالخصوص آج جب کہ علم فلکیات بہت ترقی کر چکا ہے۔(۱)

## اس اعتراض کی بابت دوسری بات:

ایک اور بات یہ ہے کہ شعبان ورمضان کے آغاز کی بابت رویت کی نوعیت کے سلسلے میں بھی فقہا کے یہاں اجماع نہیں ہے، اسی طرح گواہوں کی مطلوبہ تعداد کی بابت بھی اجماع نہیں ہے، یعنی اس امر میں اختلاف ہے کہ رویت کا ثبوت ایک گواہ کی گواہی سے ہوگا، یا دو گواہوں کی گواہی سے یا متعدد گواہوں کی گواہی سے؟ اسی طرح گواہوں کی بابت معیار وصفات کے سلسلے میں بھی اختلاف ہے، کیا عورتوں اور غلاموں کی گواہی بھی قبول کی جائے گی؟ (۲)

مثلاً (نہ کہ بطور حصر) فقہائے احناف افق صاف ہونے کی صورت میں عام رویت کا

(۱) مولوی، فیصل، السبب الشرعی لوجوب صیام رمضان ہل ہو دخول الشہر أم رؤیۃ الہلال، المجلس الاوروبی للافتاء والبجوث، ۲۰۰۹، ص:۵، www.e-cfr.org/bo/11.doc

(۲) ملاحظہ ہو: سلطان صلاح، رؤیۃ علمیۃ وتربویۃ حول رؤیۃ الاہلۃ، www.fiqhcouncil.org

مطالبہ کرتے ہیں، اور مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں صرف ماہ رمضان کے آغاز کے لئے ایک مسلمان معتبر گواہ کی گواہی قبول کر لیتے ہیں۔(۱)

جب کہ فقہائے مالکیہ افق صاف ہونے کی صورت میں گواہوں کی ایک بڑی تعداد کا مطالبہ کرتے ہیں، لیکن اگر مطلع ابر آلود ہوتو وہ دو یا دو سے زائد معتبر گواہوں کی گواہی کا مطالبہ کرتے ہیں، یعنی وہ اس مسئلہ میں احناف سے مختلف رائے رکھتے ہوئے رمضان یا شوال کے آغاز کے لئے صرف ایک گواہ کی گواہی قبول نہیں کرتے ہیں۔

علمائے شوافع رمضان اور شوال دونوں کے آغاز کے لئے مطلع صاف ہونے اور ابر آلود ہونے دونوں صورتوں میں ایک گواہ کی گواہی قبول کر لیتے ہیں، حنابلہ رمضان کے آغاز کے لئے ایک گواہ اور شوال کے آغاز کے لئے دو گواہوں کی گواہی کا مطالبہ کرتے ہیں۔(۲)

اس موقع پر رویت کے علمی منہج کی بابت تفصیلات میں جانے کی گنجائش نہیں ہے، یہاں تو بس یہ ثابت کرنا ہے کہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ۲۹ تاریخ کو مہینہ پورا ہونے کے لئے صرف آنکھ کی رویت ہی کے ایک واحد طریقہ ہونے پر اجماع ہے، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اس سلسلہ کی تفصیلات پر علما کے مابین اتفاق نہیں ہے، متعدد اختلافات ہیں، اس لئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ آنکھ کی رویت ہی شریعت کا قطعی قاعدہ ہے اور اس پر اجمالی و تفصیلی اجماع ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ رویت اور اس سے متعلق ظنی امر ہیں، ان کی بابت شریعت کی کوئی دلیل قطعی نہیں ہے، اور ظنی کو قطعی پر ترجیح نہیں دی جاسکتی ہے، جیسے محمد رشید رضا کہتے ہیں:

”متفق علیہ شرعی قاعدہ یہ ہے کہ علم ظن پر مقدم ہے، لہذا علم کے امکان کے ساتھ ظن پر عمل نہیں کیا جاسکتا ہے، مثلاً جو شخص کعبہ دیکھنے کی قدرت رکھتا ہو وہ سمت قبلہ کے لئے اجتہاد

(۱) ملاحظہ ہو: زحیلی، وہبہ، الفقہ الاسلامی وادلتہ، بیروت، دار الفکر، ۱۹۹۷ء، ۱۶۵۱/۳۔

(۲) حوالۂ بالا



کر کے ظن پر عمل نہیں کرسکتا ہے“۔(۱)

انہوں نے یہ بھی لکھا ہے: ”فلکی حساب ہمارے زمانے میں قطعی علم دیتا ہے“۔(۲)

## اس دلیل کی کمزوری کہ فلکی حسابات یہودیوں کا طریقہ ہے:

متعدد فقہا کے نزدیک فلکی حسابات کی مدد سے تیار کی گئی اسلامی جنتری کو قبول نہ کرنے کا ایک بنیادی سبب یہودیوں کی مخالفت ہے، کہ وہ اپنی جنتری کی تعیین میں فلکی حسابات پر اعتماد کرتے ہیں، متعدد سلف و معاصر علما نے اس حدیث نبوی سے استدلال کیا ہے جو مسلمانوں کو یہودیوں کی تقلید نہ کرنے بلکہ بہت سے دینی اعمال وشعائر میں ان کی مخالفت کی ترغیب دیتی ہے۔

یہ بات معروف ہے کہ یہودی چوتھی صدی عیسوی سے اپنی جنتری میں فلکی حسابات پر اعتماد کرتے رہے ہیں، امام ابن تیمیہ اور متعدد دیگر علما نے اسلامی جنتری کی تیاری میں فلکی حسابات کے استعمال کو اسی بنیاد پر غلط قرار دیا ہے کہ اس میں یہودیوں کی بدعتوں اور گمراہیوں کی تقلید ہے۔

بعض معاصر علما نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فلکی حسابات کے استعمال کی بابت یہودیوں کی بدعتوں کا علم تھا، آپ مسلمانوں کو اس بات کا حکم دیتے تھے کہ آپ بالخصوص ان کے طریقہ کی پیروی نہ کریں، آپ ؐ کا ارشاد ہے: ”ہم امی امت ہیں، نہ لکھتے ہیں اور نہ حساب کرتے ہیں“ اس میں واضح طور پر جنتری اور حسابات کے سلسلے میں یہودیوں کے طریقہ کی جانب اشارہ تھا۔

اس موقع پر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہودی جنتری کا مختصر جائزہ لیں اور اس کی تاریخ پر ایک نظر ڈال لیں، تا کہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ یہودی جنتری کی بنیاد قطعی فلکی حسابات ہیں

(۱) رضا، تفسیر المنار، ۱۵۰/۲

(۲) حوالۂ بالا: ۱۵۱/۲

یا مجرد ریاضی حسابات، تاکہ ان لوگوں کے اعتراضات کا جواب دیا جاسکے جو یہ کہتے ہیں کہ آنکھ کی رویت کی تاکید آپؐ نے اسی لئے کی تھی تاکہ مسلمان یہودیوں کے ساتھ مشابہت سے بچ سکیں جو بعض حضرات کے گمان میں فلکی حسابات پر اعتماد کرتے تھے اور اس کے ذریعہ دین میں تبدیلی کے مرتکب ہوتے تھے۔

بائبل کے اعتبار سے مہینہ قمری مہینہ ہوتا ہے، (خروج، ۲:۱۲) یہودی زمانۂ قدیم سے چاند کی گردش پر نظر رکھتے ہیں تاکہ اپنے مہینوں اور دینی تہواروں کی تعیین کرسکیں، ان کا کلیسا زمانۂ قدیم سے آنکھ کی رویت کو لازم قرار دیتا ہے، اور نئے مہینے کے ثبوت کے لئے گواہی طلب کرتا ہے، ۲۹ ویں تاریخ کو اگر کوئی گواہ سامنے نہیں آتا ہے تو وہ تیس دنوں کی تکمیل کرتے ہیں، تلمود میں بھی یہی ہے کہ مہینہ کی تعیین نئے چاند کے نظر آنے پر ہی ہوتی ہے، حاخام اس کا تذکرہ کرتے ہیں، اگر گزشتہ مہینے کی تیسویں تاریخ کو چاند نظر آیا ہوتا ہے تو مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے، اور اسے ناقص مہینہ کہتے ہیں، اگر تیسویں تاریخ کو کوئی گواہی نہیں ملتی ہے تو اس دن کو گزشتہ مہینہ کا ہی دن مانا جاتا ہے، اور ایسی صورت میں مہینہ کو کامل مہینہ کہتے ہیں، اور اگلے دن سے نئے مہینے کا آغاز ہوتا ہے۔

اور تلمود ومشنا جیسی یہود کی فقہی کتابیں (جو یہودیوں کی اصل بنیادی کتابیں ہیں) یہودی کے لئے سنیچر کے روز کسی بھی کام کے کرنے کو حرام قرار دیتی ہیں، بلکہ سنیچر کے دن کچھ بھی کام کرنے والے کی سزا قتل بتاتی ہیں، یہ بات بائبل میں بار بار آئی ہے، اس لئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے زعم میں آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا، اور ساتویں دن (خاکم بدہن) آرام کیا، لہذا بندوں پر بھی اسی طرح آرام کرنا اور اللہ کے طریقہ کی پیروی کرنا لازمی ہے، (اللہ کی ذات ان سب چیزوں سے پاک ہے)، لیکن ربیوں (علمائے یہود) نے چاند دیکھنے کے لیے سنیچر کی رات کو نکلنے کی اجازت دی ہے، اس لئے کہ بقول ان کے یہ عمل (یعنی رویتِ ہلال)



ایک مطلوبہ دینی عمل ہے، اس میں اللہ کے احکام کی نافرمانی نہیں ہے، لہذا اس کی رخصت حاصل ہوگی، اور اسے سنیچر کے مذکورہ احکام کی نافرمانی نہیں سمجھا جائے گا، چوتھی صدی عیسوی سے پہلے تک یہودی حاخام بھی مہینہ کے آغاز کے لئے آنکھ کی رویت کا مطالبہ کرتے تھے، ایک خاص شرعی یہودی عدالت چند یہودی علما پر مشتمل ہوتی تھی جس کا کام گواہیوں کو قبول کرنا اور نئے مہینہ کا اعلان کرنا ہوتا تھا۔

یہودی پیشوا جمالیل دوم (۸۰۔۱۱۶ء) خود گواہوں کی گواہیاں قبول کرتا تھا، پھر اس کے بعد مہینوں کے آغاز واختتام کے لئے یہودی حاخام فلکی حسابات کا استعمال کرنے لگے۔

بطریق یہوداسوم (۳۰۰۔۳۳۰) کے عہد میں (نئے چاند کے ثبوت کے لئے طلب کی جانے والی) گواہیاں محض رسمی رہ گئیں اور نئے مہینہ کا آغاز فلکی حسابات سے ہونے لگا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ بعض یہودی حاخاموں کے نزدیک غیر مقبول ہیں، مثلاً ربی یوشع نے بابل اور اسکندریہ کے یہودیوں کو ایک خط لکھ کر ان سے آباء واجداد اور سلف کے طریقہ (آنکھ کی رویت) کی پیروی اور دو دنوں میں عید کا جشن مناتے رہنے کا مطالبہ کیا، یہودیوں کے یہاں قبل مسیح زمانوں میں آنکھ کی رویت کا طریقہ ہی رائج تھا، اور آرتھوڈوکس یہودیوں کے یہاں ابھی تک یہی طریقہ رائج ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں مشرکین مکہ اپنے کچھ مہینوں کو مؤخر کردیتے تھے، اور ان کے نام بدل دیتے تھے، تاکہ مہینے ان کی سیاسی، معاشی یا عسکری مصالح سے ہم آہنگ ہوجائیں، امام رازی کہتے ہیں:

''یہ مشرکین جانتے تھے کہ اگر انہوں نے اپنے اور مسائل قمری برس پر مرتب کئے تو حج کبھی گرمی میں پڑے گا اور کبھی سردی میں، سخت موسم میں سفر مشکل ہوتا ہے، اور تجارت میں نفع بھی کم ہوتا ہے، اس لئے کہ تمام ممالک کے سب لوگ اچھے اور ہم آہنگ موسموں میں ہی آسکتے

ہیں، انہوں نے سوچا کہ قمری سال کی رعایت سے دنیا کے مصالح پر اثر پڑتا ہے اس لئے انہوں نے اس کو ترک کر کے شمسی برس کا اعتبار شروع کر دیا، چونکہ شمسی برس قمری برس سے زیادہ ایام کا ہوتا ہے، اس لئے انہیں نسی کی ضرورت پڑی، جس کے ذریعہ وہ بعض برسوں کو تیرہ مہینوں کا کر دیتے تھے، اور حج کو ادھر ادھر منتقل کر دیتے تھے، اس طرح حج کبھی ذی الحجہ میں ہوتا، کبھی محرم میں اور کبھی صفر میں''۔(۱)

لیکن قرآن نے اس کھلواڑ پر شدید تنقید کی، امام رازی لکھتے ہیں:

''اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر تنقید کی، اور اسے ان کے کفر میں اضافہ کا بھی سبب بتایا، یہ کفر میں اضافہ کا سبب اس لئے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اشہر حرم میں حج کرنے کا حکم دیا تھا، اور وہ دیگر مہینوں میں کرتے تھے''۔(۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (ترجمہ): وہ آپ سے نئے مہینوں کے چاندوں کی بابت پوچھتے ہیں، کہیے کہ وہ لوگوں اور حج کے لئے اوقات کی تعیین کرنے کا ذریعہ ہیں، اور نیکی یہ نہیں ہے کہ آپ گھروں میں ان کی پشت سے داخل ہوں، بلکہ حقیقی نیکی تو تقویٰ اختیار کرنا ہے، گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو، اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح یاب ہو''۔(بقرہ:۱۸۹)

یعنی حج کے اوقات متعین ہیں، جن کی تعیین چاند سے ہونی چاہئے، جیسا کہ امام قرطبی نے لکھا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے صرف حج کا ذکر اس لئے کیا کہ اس کے وقت کو جاننے کی ضرورت ہے، نسیء جائز نہیں ہے، برخلاف عربوں کے، کہ وہ مہینوں کی تبدیلی کر لئے کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے قول و فعل کو باطل قرار دیا''۔(۳)

(۱) رازی: مفاتیح الغیب، ۲۰/۸

(۲) حوالۂ بالا: ۲۱/۸

(۳) قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۳۴۱/۲



اللہ تعالیٰ نے زمانہ کو پھیر دیا تا کہ وہ اپنی حقیقی حالت کو پہنچ جائیں، اس طرح مہینہ کا آغاز نئے چاند سے ہونے لگا، اور زمانہ اپنی اصلی ہیئت پر واپس آ گیا، آپ ؐ نے اس حقیقت کو حجۃ الوداع میں صراحت کے ساتھ ان الفاظ میں بیان کیا:

''سنو! زمانہ اپنی اسی حالت پر واپس آ گیا ہے جس ہیئت پر اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا، سال ۱۲ مہینوں کا ہوتا ہے''۔(۱)

قرطبی کہتے ہیں:

پس اسلام اس طرح قائم ہو گیا کہ محرم اپنے اصل مقام پر واپس آ گیا، اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب ہے، ''زمانہ اپنی اسی حالت پر واپس آ گیا ہے جس پر اللہ نے اسے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے دن بنایا تھا، مجاہد کہتے ہیں: مشرکین دو برس ایک مہینہ حج کرتے تھے، ذی الحجہ میں دو برس، محرم میں دو برس، صفر میں دو برس، یہی معمول تھا، یہاں تک کہ حضرت ابوبکر کا حج ۹ھ کے ذی العقدہ میں ہوا ہے''۔(۲)

پس اسلامی مہینے نئے چاند سے وابستہ ہیں، اور رویت نئے چاند کی علامت ہے، مہینہ کے آغاز کا سبب نہیں۔

☆☆☆

(۱) رازی: مفاتیح الغیب، ۲۰/۸

(۲) قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۳۴۱/۲

# تیسرا باب

# فلکیاتی حساب سے قمری مہینے کا ثبوت

## جائز قرار دینے والوں کی دلیل:

اس رائے کے حامل علماء کا موقف یہ ہے کہ فلکیاتی حساب ہی اجرام سماوی کی حرکت کے جاننے کا دقیق اور فیصلہ کن وسیلہ ہے، یہ مطلق آنکھ سے چاند دیکھنے سے زیادہ دقیق ہے، اور کتاب وسنت میں دینی معاملات میں فلکیاتی حساب کو استعمال میں لانے کی ممانعت نہیں نہیں آتی ہے، جیسا کہ پیچھے گذر چکا ہے۔

قرآن کریم وضاحت کرتا ہے کہ سورج اور چاند دونوں میں سے ہر ایک کی متعینہ رفتار ہے اور خاص مدار ہے جس میں وہ گردش کر رہا ہے۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالْعُرْجُونِ الْقَدِیْمِ لا الشَّمْسُ یَنبَغِیْ لَهَا أَن تُدْرِکَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَکُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَسْبَحُونَ

ترجمہ:

جیسا کہ قرآن نے ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند میں سے ہر ایک کے لئے اس کی رفتار اور خاص مدار بنایا ہے، تاکہ انسان کے لئے ممکن ہو سکے کہ وہ سالوں اور حسابوں کی تعداد جان سکے۔ (سورہ یونس آیت نمبر ۵)

علماء کی یہ جماعت کہتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھ سے دیکھنے کی رہنمائی



اس اعتبار سے فرمائی ہے کہ اس وقت مسلمانوں کے پاس دخول رمضان کے علم کا وہی ایک صحیح ذریعہ تھا، چنانچہ مجرد آنکھ سے دیکھنا بذات خود عبادت نہیں، کیوں کہ یہ مقصود اصلی نہیں، بلکہ یہ ایک ذریعہ ہے، جس کے ذریعہ نئے مہینے کے آغاز تک رسائی اور پختہ اور یقینی شکل میں عبادت کے آغاز کی تحدید ہوتی ہے۔

اس وجہ سے بعض فقہاء کی رائے ہے کہ مقصود جب باریک بینی ہے اگر وہ کسی دوسرے سے زیادہ صحیح اور ماہرانہ راستے سے حاصل ہوجائے تو یہ بھی شرعی ذریعہ میں شمار کیا جائے گا، جیسا کہ ٹھیک رؤیت ہلال کا مسئلہ ہے، ان علماء کی رائے یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں فلکیاتی حساب آنکھ کے دیکھنے سے زیادہ باریک ہے، اس لئے اس کا استعمال مطلق آنکھ سے دیکھنے کے متبادل کے طور پر کرنا واجب ہے۔

ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو امام مالک نے نافع سے روایت کیا ہے: ’’حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کا ذکر کیا تو فرمایا، چاند دیکھ کر ہی روزہ رکھو، اور چاند دیکھ کر ہی افطار کرو، اگر مشتبہ ہوجائے تو اندازہ کرو۔ (۱)

حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہینہ ۲۹ کا بھی ہوتا ہے، روزہ چاند دیکھ کر ہی رکھو اگر مشتبہ ہوجائے تو اندازہ کرو۔ (۲)

امام نوویؒ نے ذکر کیا ہے کہ علماء نے ان احادیث کی تین تفسیریں کی ہیں:

## علماء کا فرمانِ نبوی لفظ فاقدروا لہ کی تشریح میں اختلاف:

امام احمد بن حنبل اور ایک مختصر سی جماعت نے کہا کہ اس کا مطلب ہے کہ اسے تنگ کرو

(۱) (مالک موطا ج ۲ ص ۳۳۹، صحیح ابن حبان ج ۱۵ ص ۱۸۳، بخاری مرجع سابق ج ۶ ص ۶۶۴، سنن الدارمی ج ۵ ص ۱۶۸)

(۲) (سنن الدارمی ج ۵، ص ۱۶۸، صحیح ابن حبان ج ۱۵ ص ۱۸۳، موطا مالک ج ۲، ص ۳۴۰)

اور بادل کے نیچے اس کا اندازہ کرو، علماء کی اس جماعت نے بدلی والی رات کے روزہ کو واجب قرار دیا ہے، جیسا کہ امام احمد نے وہ حدیث بیان کی ہے جو بدلی والے دنوں میں انتیسویں تاریخ سے مہینے کے آغاز کا مطالبہ کرتی ہے۔

مطرف بن عبداللہ، ابوالعباس ابن سریج، ابن قتیبہ اور دیگر نے کہا: اس کا مطلب ہے منزلوں کے حساب سے اندازہ کرو۔

مطرف بن عبداللہ، ابن سریج، ابن قتیبہ اور ان کے علاوہ دیگر علماء نے وہ حدیث دلیل میں پیش کی ہے جو بدلی والے دنوں میں فلکیاتی حساب کے استعمال کا مطالبہ کرتی ہے۔

مالک، ابوحنیفہ، شافعی اور جمہور سلف وخلف کی رائے یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پورا عدد یعنی تیس دن پورا کرو۔

فقہی انسائیکلوپیڈیا کے مولفین اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس کا مطلب ہے کہ چاند کا اندازہ فلکی حساب سے کیا جائے، اس رائے کا انتساب تابعین میں مطرف بن عبداللہ شخیر، توابع میں ابن سریج اور محدثین میں ابن قتیبہ کی طرف کیا جاتا ہے، ابن عبدالبر کہتے ہیں: امام شافعی سے یہ انتساب صحیح نہیں۔ انہوں نے امام شافعی کی جانب اس رائے کی نسبت کو غلط کہا ہے، کیونکہ ان کی مشہور رائے وہی ہے جو جمہور کی ہے، ابن رشد نے مطرف سے ان کا قول نقل کیا ہے: جب بادل ہو تو چاند کا اعتبار چاند کی منزلوں اور حساب کے راستہ سے کیا جائے گا، ایسا ہی شافعی سے ایک روایت منقول ہے، شافعی کی مشہور رائے وہ ہے جو جمہور کی ہے کہ بغیر رویت عام یا عادل گواہ کے روزہ نہ رکھا جائے۔

امام نووی ہمیں خبر دیتے ہیں کہ حدیث میں مستعمل لفظ لغوی اعتبار سے اندازہ اور حساب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے:

اہل لغت کہتے ہیں: کہا جاتا ہے قدَرت الشئی میں نے اندازہ کیا، أقدِره وأقدُره



ضمہ اور کسرہ کے ساتھ، قدّرته دال مع تشدید ایک ہی معنی ہے، اور یہ تقدیر سے مشتق ہے، خطابی اور بعض دیگر حضرات کہتے ہیں: اسی سے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ''قدرنا فنعم القادرون''۔

جب ہم حدیث میں آنے والے لفظ کو لغت اور کلام کے پس منظر میں دیکھتے ہیں تو پاتے ہیں کہ اس کا معنی اندازہ ہے جیسا کہ ابوسلیمان احمد بن محمد بن ابراہیم خطابی (۳۸۸ھ) نے کہا ہے، یعنی اس کا مطلب ہے: بدلی والے دنوں میں اس کا معنی حساب اور گنتی بھی ہے جب کہ بادل ہونے کی وجہ سے واضح طور پر چاند نہ دیکھا جا سکے۔

اس معنیٰ سے استدلال کرتے ہوئے بعض علماء جیسے حطابی، داوود اور دیگر کی رائے ہے کہ شعبان کی ۲۹ تاریخ کو جب کہ بادل ہو اور چاند دیکھا نہ جاسکے تو اس کا مطلب حساب اور شمار ہوگا، کیوں کہ درست فلکیاتی حساب سے رجوع کرنا نہ صرف اس کی اجازت ہے بلکہ مطلوب ہے۔

سلمان الباجی روایت کرتے ہیں کہ ابوعبداللہ بن محمد بن سعید داودی ظاہری کا میلان بھی حدیث کے اس معنی کی طرف تھا۔

داودی نے ذکر کیا ہے کہ لفظ ''فاقدروا'' کے مطلب کے بارے میں کہا گیا کہ منزلوں کا اندازہ کرو (۱)

جیسا کہ شافعی مجتہد ابن دقیق العید نے ذکر کیا ہے کہ بغداد کے بعض مالکی علماء اور بعض شافعی فقہاء کی یہی رائے ہے اور بطور خاص فلکیات کے ماہر کے لئے، یعنی اس پر واجب ہے کہ وہ اسی دن روزہ کا آغاز کرے جس دن فلکیاتی حساب ثابت کرے کہ وہ رمضان کا پہلا دن ہے۔

اور بعض متقدمین سے اس پر عمل کی رائے منقول ہے، اور یہی رجحان بغداد کے بعض مالکی علماء کا بھی ہے، اور یہی رائے بعض اکابر شوافع بھی دیتے ہیں۔ (۲)

(۱) (الباجی، المنتقی شرح الموطا، القاهرہ: دار الکتاب الاسلامی ۲/۳۸)

(۲) (ابن دقیق احکام الاحکام جلد ۲ صفحہ ۱۵۴)

انہوں نے مطرف بن عبداللہ ابن الشخیر کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ عالم فلکیات پر واجب ہے کہ اپنے حسابات کی پیروی کرے، اور تیسری صدی کے مشہور شافعی عالم ابوالعباس بن سریج کی رائے تھی کہ فلکیات کے عالم پر لازم ہے کہ وہ بذات خود اپنے حسابات پر اعتماد کرے اور عام مسلمان رویت ہلال پر۔

اور مطرف ہی سے منقول ہے کہ فلکیات کا ماہر اپنی ذات کی حد تک اس پر عمل کرے گا، اور ابن سریج نے تو فرمان نبوی ''فاقدرہ'' کا مخاطب ان لوگوں کو سمجھا جنہیں اللہ تعالیٰ نے حساب کا علم عطا فرمایا ہے۔(۱)

امام نودی اس سلسلے میں پانچ اقوال نقل کرتے ہیں:

اول اور اصح قول یہ ہے کہ فلکیاتی حساب پر عمل نہ ان کے ماہر یا نجومی پر اور نہ ان کے علاوہ پر واجب ہے لیکن ان دونوں کے لئے جائز ہے دوسروں کے لئے نہیں، اور اپنے فرض سے سبکدوش نہیں ہوں گے، دوسرا قول: دونوں کے لئے جائز ہے اور سبکدوش ہو جائیں گے، تیسرا قول، فلکیاتی حساب کے ماہر کے لئے جائز ہے، نجومی کے لئے جائز نہیں، چوتھا قول: ان دونوں کے لئے جائز، اور دوسروں کے لئے ان کی تقلید جائز ہے، پانچواں قول: ان دونوں کے لئے اور دونوں کے علاوہ کے لئے فلکیاتی حساب کے ماہر کی تقلید جائز ہے، نجومی کی تقلید جائز نہیں۔

مالکی فقیہ امام شہاب الدین ابوالعباس احمد بن ادریس مرامی نقل کرتے ہیں کہ مالکی مکتبۂ فکر نے رمضان کے مہینے کے ثبوت کے لئے فلکیاتی حساب کے استعمال کی رخصت دی ہے۔

اور مرامی نے چاند کے اثبات کے لئے فلکیاتی حساب پر اعتماد کرنے سے متعلق مالکی فقہاء کا ایک دوسرا قول جواز کا بھی نقل کیا ہے۔(۲)

---

(۱) (الموسوعۃ الفقہیۃ مرجع سابق ج ۲۲ ص ۳۲)۔

(۲) (موسوعۃ فقہیہ، مرجع سابق ج ۲۲ ص ۳۳)



اگر ہم ''فاقدروا'' پر دوبارہ غور کریں تو ہم پائیں گے کہ یہ عبارت دجال سے متعلق حدیث میں بھی آئی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں خبر دیتے ہیں کہ ایک دن لمبا ہوگا، اور دراز ہوگا یہاں تک وہ سال، مہینے، یا ہفتہ کی طرح ہو جائے گا، اور جب صحابہ نے پانچ وقتوں کی نماز کے اوقات کی جانکاری کے متعلق پوچھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سابقہ عبارت ''فاقدروا لہ'' سے جواب دیا۔

اس حدیث کا مطلب کسی طرح بھی یہ نہیں کہ شمار پورا کرو ۲۹ یا ۳۰ بلکہ تاکیدی طور پر اس کا مطلب ہے حساب اور اندازہ، حدیث درج ذیل ہے۔

حضرت نواس بن سمعان روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صبح دجال کا ذکر کیا، اپنی آواز بلند کی پھر پست کی، یہاں تک کہ ہم خیال کرنے لگے کہ وہ کھجور کے باغ میں ہے، جب ہم لوٹے تو حضور نے ہمارے پریشانی کو پہچان لیا، آپؐ نے فرمایا: کیا حال ہے؟ ہم نے کہا: آپ نے دجال کا ذکر کیا اور اپنی آواز کو بلند و پست کیا، ہمیں ایسا لگا کہ وہ کھجور کے باغ میں ہے، حضور نے فرمایا: مجھے دجال کے علاوہ کا تم پر زیادہ ڈر ہے، اگر وہ نکلا اور میں زندہ رہا تو میں اس کے خلاف تمہارا دفاع کروں گا، اگر وہ نکلے اور میں نہیں رہوں تو ہر شخص اپنا دفاع کرے، اور اللہ ہر مسلمان پر میرے بعد نگہباں ہے، وہ جوان ہے گھونگریلے بالوں والا ہے، اس کی آنکھیں ابھری ہوئی ہیں، گویا کہ میں اسے عزّی بن قطن سے تشبیہ دیتا ہوں، جو اسے پالے وہ اس سے بچنے کے لئے سورہ کہف کی ابتدائی آیات پڑھیں، وہ عراق اور شام کے راستہ کے درمیان نکلے گا، دائیں بائیں فساد پھیلائے گا، اے اللہ کے بندو! ثابت قدم رہنا..........!!

ہم نے کہا اے اللہ کے رسول وہ زمین پر کتنے دن رہے گا، فرمایا: چالیس دن، ایک دن سال کی طرح، ایک دن مہینہ کی طرح، ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول کیا جس روز ایک دن ایک سال کی طرح ہوگا، ایک دن کی نماز کافی ہوگی؟ فرمایا نہیں! ان کا اندازہ

کرلینا۔(۱)

اس لئے ''فاقدروا لہ'' کی تفسیر حساب کرو یا مہینہ کی گنتی کرو یا چاند کی منزلوں کو شمار کرو، دوسری تفسیروں کے مقابلہ زیادہ مناسب ہے، اس لئے کہ فقہی مذاہب کے بعض معروف علماء نے بادل کی حالت میں رمضان کے مہینے کے اثبات کے لئے فلکیاتی حساب کو قبول کیا ہے۔

قابل توجہ یہ کہ صرف ایک مفرد حدیث ہے جس میں ''فاقدروا لہ'' کی جگہ ''فاقدرو لہ ثلاثین''، حماد حضرت ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا:

مہینہ انتیس کا بھی ہوتا ہے، دیکھ کر ہی روزہ رکھو، اور چاند دیکھ کر ہی افطار کرو، اگر مشتبہ ہوجائے تو تیس کی گنتی پوری کرو۔(۲)

یحیٰ بن سعید عن عبداللہ کی اس موضوع کی روایت اسامۃ عن عبیداللہ کی روایت سے متناقض ہے، جیسا کہ مسلم نے نقل کیا ہے۔

ترجمہ حدیث: ''ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کا ذکر کیا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے مارا اور کہا مہینہ اس طرح ہوتا ہے، اس طرح ہوتا ہے، پھر تیسری مرتبہ اپنے انگوٹھے کو بند کرلیا، چاند دیکھ کر روزہ رکھو، اور دیکھ کر ہی افطار کرو اگر مشتبہ ہوجائے تو تیس کی گنتی کرو۔(۳)

ترجمہ حدیث: ''اس حدیث کو ابوبکر ابن ابی شیبہ نے ابواسامہ سے انہوں نے عبیداللہ سے، انہوں نے نافع سے، اور انہوں نے ابن عمر سے روایت کیا ہے، اسی حدیث کو ابن نمیر نے اپنے والد سے انہوں نے عبیداللہ سے اس سند کے ساتھ ذکر کیا ہے، ابواسامہ کی حدیث کی

(۱) (مسلم، صحیح مسلم، مرجع سابق، جس:۱۹، ص:۱۶اس معنی کی حدیث سنن ابوداؤد، ج:۱۱، ص:۳۹۹، مسند الامام احمد، ج:۳۶، ص:۲۷، سنن الترمذی، ج:۸، ص:۹۵ میں بھی مذکور ہے۔

(۲) (سنن الترمذی مرجع سابق ج ۸ ص، ۱۹۰)

(۳) (سنن ابوداؤد مرجع سابق ج ۸ ص ۲۵۶)



طرح۔ جب کہ اسی حدیث کو عبیداللہ بن سعید نے یحیٰ بن سعید سے، انہوں نے عبیداللہ سے روایت کیا ہے لیکن اس میں ''ثلاثین'' کا لفظ نہیں ہے۔(۱)

حماد کی یہ واحد روایت ہے جس میں ''فاقدروا لہ'' کی جگہ ''اقدروله ثلاثین'' ہے، جیسا کہ گزر چکا ہے، یہ روایت ہم تک صرف ایک راوی کے طریق سے پہونچی ہے، یہ ان متعدد روایات کا مقابلہ نہیں کرسکتی جو ابن عمر عن نافع کی سنہری کڑی سے ہم تک پہونچی ہے۔

ابن عمر کی روایت ''فاقدروا له ثلاثين''، متفق علیہ، صحیح روایت اور مذہب ابن عمر اور ان کی رائے کے مخالف ہے( ابن قدامة ، المغني في شرح الحزقي ، مرجع سابق ج : ٦ ص : ۳۹)

شافعی فقیہ امام تاج الدین سبکی نے فلکیاتی حساب سے متعلق اس مسئلہ کے بارے میں تفصیلی بحث کی ہے، اور مکمل طور سے اور آخری حدیث تک یہاں تک کہ عادل گواہوں کو رد کردیا ہے جب کہ صحیح فلکیاتی حساب سے چاند دیکھنے کا امکان نہ ہو، لکھتے ہیں:

'' یہاں ایک دوسری صورت ہے، وہ یہ کہ حساب سے معلوم ہو کہ چاند نظر آنے کا امکان نہیں ہے، قطعی مقدمات سے اس کا علم ہو، اور چاند سورج سے بہت قریب ہو، اس صورت میں آنکھ سے دیکھنے کا امکان نہیں ہے، کیوں کہ یہ محال ہے، اگر ہمیں ایک یا ایک سے زائد شخص خبر دیں جن کی خبر میں جھوٹ یا غلطی کا احتمال ہو، تو اس خبر کو جھوٹ یا غلطی پر محمول کیا جائے، اور اگر دو گواہ گواہی دیں تو ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، کیوں کہ فلکیاتی حساب قطعی ہے، خبر اور گواہی ظنی ہے، ظنی قطعی کا معارضہ نہیں کرسکتا، چہ جائے کہ اس پر مقدم کیا جائے، بینہ کے لئے شرط یہ ہے کہ مشہود بہ حسی عقلی شرعی اعتبار سے ممکن ہو، جب فلکیاتی حساب سے قطعی طور پر چاند کے نہ ہونے کو مان لیا گیا تو شرعی اعتبار سے اسے قبول کرنا محال ہوگیا، کیوں کہ مشہود بہ کا دیکھنا

(۱) (مسلم، صحیح مسلم، مرجع سابق ج ۵ ص ۳۴۱)

محال ہے اور شریعت ناممکنات کا حکم نہیں دیتی۔(۱)

ان کی اہم دلیل یہ ہے کہ فلکیاتی حساب نہایت صحیح اور فیصلہ کن ہیں جب کہ آنکھ سے دیکھنے میں ہمیشہ غلطی کا احتمال ہے، اس لئے شریعت نہایت صحیح وفیصلہ کن دلیلوں کے مقابلہ میں غیر پختہ ظنی دلیلوں کو ترجیح نہیں دے سکتی، نیز یہ کہ شریعت نے ہم سے مطلق آنکھ سے دیکھنے کا مطالبہ نہیں کیا، چاہے وہ درست ہو یا غلط، اس لئے ہمارے لئے ممکن نہیں کہ ہم اپنے روزوں کے بارے میں صرف گواہوں پر اعتماد کرلیں، شریعت نے اس کا حکم نہیں دیا اس لئے خبر کی تحقیق امر واجبی ہے، ہم نے کئی بار دیکھا کہ بعض لوگ ارادے یا بغیر ارادے کے مخفی مقاصد کے لئے غلط گواہیاں دے دیتے ہیں، لکھتے ہیں:۔

’’شریعت میں اس بابت کوئی نص نہیں ہے کہ تمام قسم کے گواہوں کی گواہی قبول کرلی جائے گی خواہ مشہود بہ صحیح ہو یا باطل، روزہ اور اس کے احکام کا لزوم صرف خبر یا گواہی سے نہیں ہوتا، یہاں تک کہ ہم کہتے ہیں اگر آپ کا حکم ہوتا کہ کوئی بھی خبر دینے والا خبر دے تو روزہ رکھو تو یہ حکم ہمارے سرآنکھوں پر، لیکن یہ حکم آیا ہی نہیں بلکہ ہمارے لئے خبر کو قبول کرنے کے لئے تحقیق واجب ہے تاکہ ہم اولاً اس کی حقیقت کو جان لیں، اس میں شک نہیں کہ چاند کی گواہی دینے والے حضرات کبھی کبھی اسے دیکھ نہیں پاتے، یا چاند مشتبہ ہوتا ہے، یا وہ کسی اور شے کو چاند سمجھ لیتا ہے جب کہ وہ چاند نہیں ہوتا، یا اس کی آنکھ اس کو وہ چیز دکھادیتی ہے جو اس نے دیکھی نہیں، یا چند دنوں بعد گواہی دیتا ہے، غلطی سے وہم ہوجاتا ہے جب کہ جس رات اس نے چاند دیکھا تھا اس میں چاند کی تردید کردی گئی تھی، یا اس کی جہالت اتنی سنگین ہوجائے کہ لوگوں کو روزہ کی ترغیب دینے کو ثواب سمجھے، یا وہ ان لوگوں میں سے ہو جو اپنی عدالت کا ثبوت چاہتے ہوں تو وہ اسے ذریعہ بنالیں اور حاکموں کی نگاہ میں مقبول ہوجائیں، اس طرح کی بہت سے باتیں ہم نے دیکھی

(۱) (سبکی، فتاوی، مرجع سابق ج ا ص ۴۱۳)۔



اور سنی ہیں۔(۱)

وہ فقہاء کو فلکیاتی حساب کو معتبر ماننے کی نصیحت کرتے ہیں، بطور خاص اس وقت جب گواہ چاند دیکھنے کی گواہی اس وقت دے جب کہ فلکیاتی حساب سے چاند نظر آنا ممکن نہ ہو، اسی طرح وہ نصیحت کرتے ہیں کہ وہ ان آراء کی پرواہ نہ کریں جو دینی معاملات میں فلکیاتی حساب کو منع یا حرام قرار دیتی ہیں کیونکہ شریعت نے کبھی بھی فلکیاتی حساب کے استعمال کی تحریم نہیں کی۔

حاکم پر واجب ہے کہ جب اس طرح کا تجربہ کرے، یا بذات خود یا اپنے معتمدین کے ذریعہ جب یہ معلوم ہوجائے کہ فلکیاتی حساب سے چاند نظر نہیں آسکتا تو وہ اس گواہی کو قبول نہ کرے، اور نہ اسے ثابت مانے، نا ہی اس کے مطابق فیصلہ دے، استصحاباً مہینہ باقی رہے گا، کیوں کہ وہ پختہ شرعی دلیل ہے، یہاں تک کہ اس کے خلاف ثابت ہوجائے، ہم نہیں کہتے کہ شریعت نے فلکیاتی حساب کو مطلقاً غیر معتبر کردیا ہے۔(۲)

سبکی نے حسب ضرورت ان امور سے آگاہ کردیا جن کے ذریعہ صحیح اور دقیق فلکیاتی حساب اور ظنی وتخمینی امور میں فرق کیا جاسکے، انہوں نے قاضیوں سے اجتہاد طلب کیا ہے، بطور خاص جب کہ فلکیات حساب چاند کے نظر نہ آنے کی قطعی خبر دے۔’’فلکیاتی حساب کے کئی مراتب ہیں، ایک جس میں چاند نظر نہ آنا قطعی ہے ہمارے نزدیک اس کے ذریعہ گواہی کو رد کرنے میں کوئی شک نہیں ہے، دوسرا چاند نظر نہ آنا ظنی ہے، تو یہ اس وقت گواہوں اور ان کی نگاہ کے اعتبار سے محل نظر ہے، گواہوں کے امکان کذب وغلط کے اعتبار سے اس کے بہت سے درجے ہیں، اس میں قاضی پر حسب استطاعت اجتہاد واجب ہے۔(۳)

(۱) (حوالۂ بالا، ج ا ص: ۴۱۳)

(۲) (حوالۂ بالا ج ا ص ۴۱۴)

(۳) (حوالۂ بالا ج ا ص ۴۱۶)

ان کا کہنا ہے کہ فلکیاتی حساب مطلق انسانی آنکھ کی رویت سے زیادہ دقیق ہے، فلکیاتی حساب سے زیادہ غلطی کا امکان انسانی نظر میں ہوسکتا ہے: ''جب دو یا اس سے زیادہ گواہ گواہی دیں، جن کی گواہی جھوٹی بھی ہوسکتی ہے اور غلط بھی، اور فلکیاتی حساب سے اس وقت چاند نظر آنا ممکن نہ ہو، اس وقت وہ دونوں گواہی دیں کہ انہوں نے دیکھا ہے تو دونوں کی گواہی رد کردی جائے گی، کیوں کہ مشہود بہ میں امکان شرط ہے، خارق عادت کو ممکن قرار دینے سے اولیٰ ہے کہ مذکورہ دونوں گواہوں کو جھوٹا یا غلط مان لیا جائے عادۃً وعقلاً محال کا نہ اقرار قبول ہوتا ہے نہ اس کی گواہی''۔(۱)

امام سبکی جانتے ہیں کہ اس مسئلہ پر ان کے مذہب میں یہاں تک ان کے زمانے تک کسی نے تفصیل سے بحث نہیں کی، لیکن اس کے ساتھ انہیں خوشی ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ کی گہری سمجھ کے بعد یہ رائے اختیار کی ہے:

''یہ مسئلہ ہمیں کہیں نہیں ملا، لیکن اس پر ہم نے خود غور کیا، یہ ہمارے نزدیک قطعا محال ہے، ایسا صرف ظنی نہیں ہے''۔(۲)

ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ سبکی اپنے زمانہ سے آگے تھے۔ لگتا ہے کہ فلکیاتی حساب کے مسئلہ میں بعض علماء کے ساتھ انہوں نے تن تنہا سخت مناظرہ کیا ہے، جب کہ وہ اپنے مذہب میں مجتہد شمار کئے جاتے ہیں، ان کی تحریر کے درج ذیل اقتباسات دیکھئے:

''بعض جاہلوں کو ہماری رائے قبول کرنے میں توقف ہوگا، فلکیاتی حساب کی طرف رجوع کرنے میں کراہت ہوگی، یہ اس بات پر جمے ہوئے ہیں کہ ہر وہ بات جس کی دو گواہ گواہی دیدیں، ثابت ہوجائے گی، ایسے لوگوں سے خطاب نہیں ہے، ہم ان سے بات کررہے ہیں، جن

---

(۱) حوالۂ بالا ج۱ ص۴۱۶)۔

(۲) حوالۂ بالا ج۱ ص۴۱۷)



کے اندر غور وفکر کی ادنیٰ صلاحیت بھی ہو، جاہل سے بات نہیں کی جاتی۔(۱)

شیخ قرضاوی سوال کرتے ہیں کہ اگر سبکی موجودہ زمانے میں ہوتے اور اس علم کی موجودہ ترقی دیکھتے تو ان کی فلکیاتی حساب کے بارے میں کیا رائے ہوتی؟(۲)

بعض فقہاء جیسے عبادی، ابن دقیق نے بھی فلکیاتی حساب سے متعلق سبکی کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔

زکریا بن محمد انصاری لکھتے ہیں: ''قلیوبی نے عبادی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: اگر قطعی حساب چاند کی عدم رویت کا پتہ دے تو عادل گواہوں کی بھی رویت کی گواہی قبول نہیں کی جائیگی، ان کی گواہی بھی رد کردی جائے گی، اور اس وقت روزہ جائز نہیں ہوگا اور اس رائے کی مخالفت سرکشی اور تکبر ہے۔(۳)

قلیوبی نے لکھا ہے:

''بلکہ علامہ العبادی نے کہا: جب قطعی فلکیاتی حساب چاند نظر نہ آنے پر دلالت کرے، تو عادل گواہ کی رویت بھی قبول نہیں ہوگی، اور ان کی گواہی رد کردی جائے گی، یہ تو بالکل ظاہر ہے اور اس وقت روزہ جائز نہ ہوگا، اور اس کی مخالفت دشمنی اور تکبر ہے۔(۴)

ابن حجر عسقلانی نے ذکر کیا کہ ابن دقیق العید نے کہا: جب فلکیاتی حساب ثابت کردے کہ چاند موجود ہے، اور اس کی رویت ممکن ہے، لیکن بادل کی وجہ سے نظر نہ آرہا ہو، اس حالت میں سبب شرعی کی موجودگی کی وجہ سے روزہ فرض ہوجائے گا۔

---

(۱) (مرجع سابق ج۱۱ ص:۴۲۸)

(۲) (القرضاوی یوسف، فتاوی معاصرۃ دارالقلم ۱۹۹۶، ج:۲ ص ۲۲۲)

(۳) (الانصاری، زکریا بن محمد، احکام الاحکام، شرح عدۃ الاحکام القاہرہ، مکتبہ المیمنۃ ج:۲ ص:۲۰۵)

(۴) (قلیوبی، احمد سلامۃ وعمرۃ أحمد البرلسی، حاشیۃ قلیوبی وعمیرۃ، قاہرہ، داراحیاء الکتب العربیۃ، ج:۲، ص:۸۰۲)

جب فلکیاتی حساب سے ثابت ہوجائے کہ چانداس طرح نکلا ہے کہ دیکھا جاسکتا ہے، لیکن دیکھنے میں کوئی رکاوٹ مثلاً بادل حائل ہے، تو سبب شرعی کی موجودگی کی وجہ سے یہ وجوب کا مقتضی ہے۔(۱)

اور یہ ابن دقیق العید کی تحریر کا اقتباس ہے: ''جب فلکیاتی حساب ثابت کردے کہ چاند افق پر اس طور پر نکلا ہے کہ اگر رکاوٹ نہ ہو جیسے بادل تو اسے دیکھا جاسکتا ہے تو یہ وجوب کا متقاضی ہے شرعی سبب کے وجود کی وجہ سے، لزوم کی شرط حقیقت رویت نہیں ہے، کیوں کہ اس پر اتفاق ہے کہ مطمورہ میں قید شخص جب جان لے کہ گنتی پورا کر کے یا علامت پہچان کر کے کہ آج کا دن رمضان ہے، تو اس پر روزہ فرض ہے، اگرچہ اس نے چاند نہ دیکھا ہو، اور نہ کسی دیکھنے والے نے خبر دی ہو۔(۲)

یہاں تک کہ محمد بن مقاتل جیسے بعض فقہا نے صرف اس رائے کو نظریاتی طور پر ہی اختیار نہیں کیا ہے بلکہ انہوں نے قمری کیلنڈر کی تعیین میں ماہرین فلکیات سے مشورہ بھی کیا ہے، ابن عابدین کہتے ہیں: ''ہمارے بعض اصحاب کہتے ہیں ماہرین فلکیات کے قول پر اعتماد کرنے میں کوئی حرج نہیں، محمد بن مقاتل سے منقول ہے کہ وہ ان سے پوچھتے تھے اور جب ماہرین فلکیات کی ایک جماعت اس پر اتفاق کرلیتی تو ان کی بات پر اعتماد کرتے تھے۔ (۳)

اسی طرح مشہور حنفی صوفی ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری (۴۶۵ھ) نے ابن دقیق العید کی طرح رائے کو قبول کیا ہے کہ بادل ہونے پر رمضان کے مہینے کے اثبات کے لئے فلکیاتی حساب کا اعتبار کیا جائے گا، اس لیے کہ بادل کا ہونا ہی فلکیاتی حساب کو قبول کرنے کا حقیقی

(۱) (ابن حجر، التلخیص الحبیر فی تخریج أحادیث الرافعی الکبیر، حوالۂ سابق، ج۲، ص۳۶۰)
(۲) (ابن دقیق العید، احکام الأحکام، ج۲، ص۱۵۴)
(۳) (الحموی البصائر، ج:۲، ص:۶۵)



شرعی سبب ہے۔

قشیری نے کہا: ۔جب فلکیاتی حساب ثابت کردے کہ چاند افق پر اس طور نکلا ہے کہ دیکھا جاسکتا ہے اگر رکاوٹ نہ ہو جیسے بادل، تو یہ شرعی سبب کے وجود کی وجہ سے وجوب کا تقاضہ کرتا ہے۔(۱)

احمد امین بن عمر ابن عابدین نے فلکیاتی حساب کے بارے میں حنفی فقہاء کے مابین اختلافات کا ذکر کیا ہے۔

ان پر اعتماد کرنے کے جواز میں اختلاف ہے'' قنیہ'' میں تین اقوال ہیں، اولاً قاضی عبدالجبار اور مصنف جمع العلوم سے نقل کیا ہے کہ ان کی بات پر اعتماد کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور ابن مقاتل سے منقول ہے کہ وہ ان سے پوچھتے تھے، اور جب ماہرین فلکیات کی ایک جماعت کسی ایک رائے پر متفق ہوتی تو ان کی باتوں پر اعتماد کرتے تھے۔(۲)

گزشتہ مباحث سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ بعض معاملات میں جیسے رمضان کے آغاز کی بابت بطور خاص بادل ہونے کی صورت میں شافعی مالکی، حنفی مذاہب کے چند معروف علماء نے فلکیاتی حساب کو استعمال کرنے کی رخصت دی ہے، اسی طرح یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ بعض علماء جیسے سبکی نے مہینے کے آغاز کے لئے فلکیاتی حساب کے استعمال پر اعتماد کیا ہے جب کہ بعض علماء جیسے ابن دقیق العید، محمد بن مقاتل رازی نے بادل ہونے کی صورت میں اثبات کے لئے فلکیاتی حساب کے استعمال کی اجازت دی ہے۔

اس وقت ہمارے زمانے میں اشیاء تیزی سے بدل رہی ہیں، اس لئے بعض معاصر علما مثلاً شیخ محمد مصطفیٰ المراغی، شیخ علی طنطاوی، احمد شاکر، مصطفیٰ زرقا، شرف القضاۃ اور دیگر حضرات کی

(۱) (الموسوعۃ الفقہیۃ: ج۱، ص۳۳)
(۲) (ابن عابد بن ردّ المحتار علی الدر المختار، ج:۷، ص:۶۶)

رائے یہ ہے کہ علم فلکیات اور جدید فلکیاتی حساب صحت ویقین کی اس سطح کو پہونچ چکے ہیں کہ اب آنکھ سے دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ شریعت نے دیکھنے کا مطالبہ اس وقت کیا تھا جب کہ تمام امت اسلامیہ ان پڑھ تھی، فلکیات اور اس سے متعلقہ علوم اور فلکیاتی حساب میں مہارت نہیں رکھتی تھی، آج جب کہ ہم یقین ورصحت کی اس سطح کو پہونچ چکے ہیں تو ہمارے لئے واجب ہے کہ ہم فلکیاتی حساب کو رویت بصری کے بغیر اسلامی مہینوں کے اثبات کے لئے ایک ذریعہ ووسیلہ بنالیں۔

شیخ احمد شاکر لکھتے ہیں کہ: مجرد آنکھ سے دیکھنے پر اعتماد کا معاملہ مشروط ہے، شرط یہ ہے کہ امت اسلامیہ لکھنا اور حساب کرنا نہیں جانتی تھی۔

ابن حجر عسقلانی کا یہ قول انہوں نے نقل کیا ہے:

''مراد وہ اہل اسلام ہیں جن کی موجودگی میں یہ بات کی گئی ہے، اور یہ ان کے اکثر پر محمول ہے، یا اس سے مراد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے عرب کو ان پڑھ کہا جاتا تھا، اس لئے کہ لکھنا ان کے لئے دشوار تھا، اللہ تعالیٰ کا فرمان'' هو الذي بعث في الاميين رسولا منهم'' اس پر یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ ان میں کچھ لوگ لکھنا اور حساب کرنا جانتے تھے، اس لئے کہ ان میں لکھنا نہایت کم اور نادر تھا، اور حساب سے مراد یہاں تاروں کا حساب اور ان کی رفتار ہے، اور وہ لوگ اس سے متعلق بھی بہت کم علم رکھتے ہیں، چنانچہ روزہ اور دیگر احکام میں رویت پر حکم کو معلق کیا، تاکہ رفتار کے حساب میں دشواری نہ رہ جائے۔(۱)

اس تاریخی حقیقت کی روشنی میں احمد شاکر کہتے ہیں کہ فقہ اسلامی کا ثابت شدہ قاعدہ ہے: سبب کو مسبب سے ملانا، یعنی معاملات کو علت سے جوڑنا، اب جب کہ امت جہالت سے نکل کر لکھنے اور حساب کرنے لگی تو حالت کی تبدیلی کی وجہ سے حکم بدل جائے گا۔

''رویت پر اعتماد کا معاملہ مخصوص علت سے معلول ہے، وہ یہ ہے کہ امت ایسی ہے

(۱) (ابن حجر فتح الباری، ج:۶ ص:۱۵۵-۱۵۶)



کہ جو نہ لکھنا جانتی ہے اور نہ حساب کرنا، اور علت عدم و وجود میں معلول کے ساتھ گردش کرتی ہے، یعنی مجموعی اعتبار سے وہ ان علوم سے واقف ہے، اور ان کے خاص وعام کے لئے ممکن ہے کہ مہینے کے آغاز میں یقینی اور قطعی درجہ تک پہونچ جائے، اور ان کے لئے ممکن ہے کہ اس حساب پر اس طرح بلکہ اس سے زیادہ اعتماد کرسکیں، جیسا کہ وہ رویت بصری پر کرتے ہیں، اس لئے ان پر واجب ہے کہ وہ قطعی یقین کو اختیار کرلیں، اور مہینوں کے اثبات میں صرف فلکیاتی حساب کو استعمال کریں، اور فلکیاتی حساب مشکل ہوجانے پر ہی چاند کو آنکھ سے دیکھنے پر اعتماد کریں۔(۱)

مزید لکھتے ہیں کہ چاند کی پیدائش کا آغاز ہی مہینے کا آغاز ہے (۲)، اور جب فلکیاتی حساب سے رجوع کرنا واجب ہے تو یہ بھی واجب ہے کہ چاند کے حقیقی حساب کی طرف رجوع کیا جائے اور چاند کے نظر آنے یا نہ آنے کے امکان کو چھوڑ دیا جائے، اس طرح مہینے کا حقیقی آغاز اس رات سے شروع ہوگا، جس میں چاند سورج کے غروب ہونے کے بعد غائب ہوجاتا ہے، اگرچہ ایک لمحہ کے لئے ہو۔

انہوں نے ذکر کیا ہے کہ فلکیاتی حساب پر اعتماد کرنا ہی ہمارے زمانہ میں سب سے زیادہ صحیح فقہی رائے ہے، اور اس سے متعلق اور باب کے متعلق آنے والی احادیث کا صحیح مصداق ہے۔

میں اپنی اس رائے کو سب سے عادلانہ، فقہ مسلم سے قریب تر سمجھتا ہوں اور اس باب سے متعلق احادیث کو صحیح قرار دیتا ہوں۔

شیخ مصطفیٰ زرقا موضوع کی تفصیلی بحث کے بعد لکھتے ہیں

''یہ بدیہی امر ہے کہ نئے چاند کا دیکھنا بالذات اسلام میں عبادت نہیں ہے، وہ وقت

(۱) (شاکر احمد، أوائل الشهور الاسلامية، القاهرة، مكتبہ ابن تيمية ۱۹۸۷، ص: ۷-۱۷)

(۲) حوالۂ بالا

کے جاننے کا وسیلہ ہے، اور یہ حساب وکتاب نہ جاننے والی قوم میں واحد ممکنہ ذریعہ تھا۔

اوراس کی جہالت ہی رویت بصر پر اعتماد کی علت تھی، جیسا کہ بعض حدیث سے ثابت ہے، پھر شرعی طور پر یقینی فلکیاتی سے کون سی چیز روک رہی ہے، جو ہمیں پہلے ہیہ نئے مہینہ کی آمد کا پتہ دے دیتا ہے، یہ ممکن نہیں کہ ہمارے علم کو اس وقت کوئی بادل یا اولا ڈھانپ دے، سوائے عقل کے اولہ۔ (۱)

جیسا کہ شیخ قرضاوی اس مسئلہ کا مکمل مطالبہ کرنے کے بعد اس کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

دین اسلام نے چاند کو آنکھ سے دیکھنے کو قابل اعتماد ذریعہ بتایا ہے، یقینی طور پر وہ فلکیات حساب کو ایک درست اور قابل اعتماد ذریعہ کے طور پر قبول کرے گا، غلطی کا امکان مجرد آنکھ سے دیکھنے میں ہمیشہ رہتا ہے، اس کے مقابلہ میں یہ صورت حال فلکیاتی حساب میں نہیں ہے۔

اس لئے فلکیاتی حساب کو قبول کر لینا بھی شریعت اسلامی کی روح کے منافی نہیں ہے، امت اس کے ذریعہ بہت سی مشکلات، غلطیوں اور اختلافات سے بچ سکتی ہے۔

موجودہ زمانہ میں قطعی حساب کا استعمال مہینوں کے اثبات کا ایک ذریعہ ہے، ضروری ہے کہ قیاس اولیٰ کے باب سے اسے قبول کیا جائے اس طور پر کہ حدیث میں کم تر ذریعہ کے استعمال کرنے کو مشروع کیا گیا ہے، وہ لکھتے ہیں: یہ دوسے کامل تر مقصود کی زیادہ تکمیل کرنے والے وسیلہ کا انکار نہیں کرتا، امت کو آغاز صوم، افطار، قربانی کی تحدید کے سلسلہ میں شدید اختلاف سے بچانے کا ذریعہ بھی فلکیاتی حساب ہے۔ (۲)

(۱) فتاوی، مصطفیٰ زرقاء، مرجع سابق، ص: ۱۶۳۔۱۶۴)

(۲) (القرضاوی، فتاوی معاصرۃ، مرجع سابق، ج: ۲، ص: ۲۱۶۔۲۱۵)



جہاں تک دوسرے نصوص شرعی میں رویت ہلال کی بات ہے تو شرعی تحقیق میں اس کی مشروعیت دخولِ رمضان کی تحقیق کا ایک ذریعہ ہے، اگر کسی وجہ سے دشوار حدیث نبوی ہماری رہنمائی کرتی ہے یہ ماہ کی تکمیل ہی زیادہ محتاط ذریعہ ہے، جو مشروع ایام میں روزہ کی ادائیگی کو شامل ہے، دخولِ رمضان کا دوسرا زیادہ یقینی ذریعہ پایا جائے تو اس پر اعتماد کرنا بہتر ہے، بسا اوقات اس کا استعمال واجب ہوجاتا ہے، جب کہ وہ زیادہ باریک بینی سے ہدف مطلوب یعنی رویت ہلال، تکمیلِ ماہ یا احتیاط پر عمل تک پہونچائے۔ (۱)

شرف القضاۃ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جن نصوص نے فلکیاتی حساب کو اسلامی مہینوں کے اثبات کے لئے قابل اعتماد ذریعہ کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت دی ہے، حقیقت میں انہوں نے مہینے کے داخل ہونے یا نہ ہونے کے درمیان فرق نہیں کیا ہے، یہ نصوص عام ہیں، لکھتے ہیں: ’’نصوص شرعیہ نے نفی اور اثبات کے درمیان فرق نہیں کیا ہے بطور خاص حدیث (فان غم علیکم فاقدروا له) میں مہینہ کو ثابت کرنے کے لئے اندازہ کرنے کا حکم ہے، نہ کہ گواہی رد کرنے کا، جب کہ علمی طور پر، مہینہ کے داخل ہونے یا نہ ہونے کے درمیان فلکیاتی حساب کی صحت اور قطعیت میں کوئی فرق نہیں ہے، اس طرح ہمارے زمانہ میں راجح یہی ہے کہ نفی واثبات دونوں کے لئے فلکیاتی حساب پر اعتماد کیا جائے (القضاۃ، شرف، الشہر القمری بین الحدیث النبوی والعلم الحدیث، دراسات علوم الشریعۃ والقانون ج ۲۶ عدد ۲، ص ۴۴۷۔۴۵۸)

جب کہ مصطفیٰ عبدالباسط لکھتے ہیں: فلکیاتی حساب ہی شریعت اسلامی میں مقصود ہے، لیکن رویت بصر سے ماضی میں اس لئے کام لیا گیا کہ امت اس قابل نہیں تھی کہ درست اور باریک فلکیاتی حساب جان سکے، اس لئے رویت بصر کی راہ میں دشواریوں اور مشکلات کو دیکھتے ہوئے،

(۱) (مولوی، السبب الشرعی لوجوب صیام رمضان ھل ھو دخول الشہر أم رؤیۃ الھلال، ص ۲۶)

فلکیاتی حساب سے اسلامی مہینوں کا اثبات واجب ہے۔(۱)

۲۸ ربیع الآخر تا ۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ بمطابق ۱۵ تا ۱۹ مئی ۲۰۰۷ء میں المجلس الأوربی للافتاء والبحوث نے اپنے سترہویں اجلاس میں قطعی فلکیاتی حساب سے اسلامی مہینہ جیسے رمضان وذی الحجہ کے اثبات کی مشروعیت کا فتوی دیا ہے۔

گذشتہ مباحث کی تلخیص درج ذیل میں نقاط میں کی جاسکتی ہے۔

(۱) یہ کہنا کہ فلکیاتی حساب کے انکار اور اس کے تمام ذرائع واقسام کی عدم صحت پر خواہ وہ اسلامی مہینوں کے آغاز سے متعلق ہو یا اختتام سے ہو فقہاء کے درمیان اجماع ہے، بالکل غلط بیانی اور تاریخ سے نادانی ہے، البتہ اجماع نہ ہونے کے باوجود جمہور فقہاء کی رائے نفی میں تھی ، اس لئے کہ ان کے زمانے میں فلکیاتی حساب میں قطعیت نہیں تھی، اسی طرح عقیدہ سے متعلق بعض دیگر مسائل کے منفی اثرات تھے۔

(۲) حنبلی مکتبہ فکر کو چھوڑ کر تینوں فقہی مکاتب فکر میں معروف علماء وفقہاء کی ایک جماعت فلکیاتی حساب کو ماضی میں قبول کرتی رہی ہے، اور فلکیاتی حساب کی کلی یا جزوی صحت کے اثبات کے لیے مناظرے بھی کرتے تھے۔

(۳) جدید علم فلکیات صحت کی اس بلند سطح پر پہونچ چکا ہے کہ وہ چاند کی پیدائش کی نفی یا اثبات نیز افق میں اس کے وجود اور عدم وجود کے بارے میں نہایت آسانی سے خبر دے سکتا ہے، یہ سائنٹفک طریقہ مجرد انسانی آنکھ سے زیادہ سچا اور درست ہے۔

(۴) علماء کی تعداد جو جزئی یا کلی طور پر فلکیاتی حساب پر اعتماد کرتی ہے، روز بروز بڑھتی جارہی ہے، کیوں کہ اس میں سماجی واقتصادی سہولت وآسانی ہے، اس سے امت کو آسانی ملتی ہے

(۱) ، (احمد، مصطفیٰ عبدالصمد، تحدید أوائل الشهور القمرية رؤية علمية شرعية فلانوفا الأكاديمية الاسلامية للبحث العلمي ۲۰۰۳ ص ۵۴)



، اور اجتماعی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

(۵) بعض معاصر علما جو اپنی تفسیر میں حدیث نبوی کے قریب اور ظاہری معنی کو ترجیح دیتے ہیں، مثلا محمود شاکر جیسے سلفی حنبلی علماء نے بھی اس نقطۂ نظر کو قبول کیا ہے، حقیقت میں وہ فلکیاتی حساب پر اعتماد کرنے کی رائے کو ہی تقویت دیتے ہیں اس لیے کہ ہمارے زمانہ میں سنت نبوی کی پیروی کا یہی واحد، درست، اور شرعی ذریعہ ہے، احمد شاکر نے یہ بات ۱۹۳۹ء میں کہی تھی۔

(۶) نئے چاند کی پیدائش صرف ایک علامت ہے، جس کے ذریعہ ہم وقت جانتے ہیں، جب کہ زمین کے گرد اپنے مدار میں چلتے ہوئے چاند کا ایک واضح آغاز واختتام ہے، آغاز کا نقطہ پیدائش کا نقطہ ہے، یہی زیادہ قطعی ذریعہ ہے جس سے ہم بہت پہلے اسلامی مہینوں اور سالوں کو ثابت کرسکتے ہیں اس لئے نئے چاند کی پیدائش کو نئے مہینے کے آغاز کی پہچان یا بنیاد بنانے میں کوئی غلطی نہیں پائی جاتی۔

جب اس پر اتفاق ہے کہ مہینہ کے داخل ہونے میں صحت اور یقین ہی اسلامی شریعت کا ہدف ہے، صرف دیکھنا ہدف نہیں ہے، پھر چاند کے ظاہر ہونے یا نہ ہونے پر مباحثہ کرکے اپنا وقت ضائع کرنا بے سود ہے، اس لئے اسلامی کلنڈر کے اعلان کے لئے بہت جلد چاند کی پیدائش کو ایک قابل اعتماد ذریعہ اور شرعی سبب بنانا واجب ہے۔

(۷) گرینچ کی توقیت غیر حقیقی بنیادوں پر قائم ہے، اس کے باوجود وقت اور تاریخ کی تسہیل کے لئے مقبول ہے، اس کی مطلقاً شرعی بنیاد نہیں ہے، لیکن دوسرے پہلو سے ہم دیکھتے ہیں کہ مکہ تمام مسلمانوں کا قبلہ ہے اور گرینچ سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے، اس لئے مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ شہر مکہ کو اسلامی مہینوں کے اثبات کے لئے ایک بنیاد سمجھیں، نیا مہینہ اس وقت ہوگا جب کہ مکہ میں سورج کے غروب ہونے سے پہلے نیا چاند پیدا ہوگا، سورج کے غروب ہونے کے بعد بھی گرچہ کم وقت کے لئے افق میں باقی رہے، اس وقت پورا عالم اسلام، مکہ میں نئے

چاند کی پیدائش کے چوبیس گھنٹے کے درمیان نئے مہینے کا آغاز کرے گا، گذشتہ تفصیلات کی روشنی میں میری رائے ہے کہ رمضان کے دخول یا عدم دخول کے اثبات کے لئے فلکیاتی حساب کو قبول کرلینا بھی سنت کے مدار میں گردش کرے گا، اور کسی طرح بھی روح شریعت سے جدا نہیں ہوگا، بلکہ یہی واحد راستہ ہے جو ہمارے پاس ہے، جب وہ بروئے کار لایا جائے گا تو اتحاد بین المسلمین اور تعیین اوقات کی صحت کا اسلامی ہدف پورا ہوگاس۔ واللہ اعلم۔

☆☆☆



## المجلس الاوربی للافتاء والبحوث کے سترہویں اجلاس کا اعلانیہ

مجلس نے چاند کے موضوع پر غور وفکر کے لیے ایک خاص یونٹ مقرر کی تا کہ یورپ میں مسلمانوں کو درپیش مشکلات کا مناسب حل پیش کیا جاسکے، اور بالخصوص رمضان وشوال کی بابت بار بار پائے جانے والے اختلاف کو کم کیا جاسکے، موضوع سے متعلق مخصوص مقالات سے اس پر غور وفکر کیا گیا ہے، مقالات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) يقين أوائل الشهورا لقمرية بين الرؤية والحساب، محمد هوارى

(۲) ثلاث مسائل حول الهلال : الشيخ عبدالله الجديع

(۳) السبب الشرعى لوجوب صيام رمضان هل هو دخول الشهرأم رؤية الهلال : شيخ فيصل مولوى

(٦) رؤية علمية وتربوية حول روية الأهلة: صلاح سلطان

قرارداد ۱۷/۴

قمری مہینوں کے آغاز کا اثبات

مجلس نے اس موضوع سے متعلق مقالات کا خصوصی جائزہ لیا، تفصیلی مباحثہ کے درج ذیل قرارداد منظور کی:

(۱) فلکیاتی حساب اب نہایت صحیح ودقیق نتائج کا حامل ایک معاصر علم ہے، یہ ستاروں اور سیاروں، بالخصوص چاند وزمین کی گردش اوران کے جائے وجود نیز ہر لحہ بدلتی ان کی پوزیشنوں کا قطعی علم رکھتا ہے۔

(۲) سورج، چانداورزمین کے ایک خط میں آجانے (جسے اقتران کہتے ہیں) کا عمل ایک لمحہ کا ہے، اور پوری دنیا میں بیک وقت پایا جاتا ہے، علم فلکیات برسوں پہلے اس کے وقوع کی خبر دے سکتا ہے۔ اور یہ عمل فلکیات کی نگاہ میں گزشتہ مہینہ کے اختتام اور نئے مہینے کے آغاز کا پتہ دیتا ہے، یہ عمل روز وشب میں کسی بھی وقت ہوسکتا ہے۔

(۳) نیا مہینہ شرعی اعتبار سے ثابت ہوگا جب کہ درج ذیل شرائط پائی جائیں:

الف: عملاً اقتران ہوا ہو۔

ب: چاند، سورج کے غروب ہونے بعد غروب ہوا اگرچہ ایک لمحہ بعد کیوں نہ ہو، جس کا مطلب نئے مہینے کا دخول ہے یہ رائے معتبر علماء کی ہے اور معتبر فلکیاتی حقائق کے موافق ہے۔

ج: مکہ مکرمہ کے جغرافی موقع محل کو مذکورہ دونوں شرطوں کی بنیاد بنایا جائے۔

(۴) یورپی ممالک کے لئے ضروری ہے کہ قمری مہینوں بطور خاص رمضان اور شوال کے آغاز کے لئے اس قاعدہ کو استعمال کرے، ان مہینوں کی تحدید پہلے سے کرلیں، اس سے مسلمانوں کو اپنے معاشرے کے ساتھ اپنی عبادت کی ادائیگی، اسی طرح عید اور مختلف مواقع کے انتظامات میں مدد ملے گی۔

(۵) مجلس اپنے ممبران، مساجد کے ائمہ، اسلامی وغیر اسلامی معاشروں کے علمائے شریعت کو سے اپیل کرتی ہے کہ فلکیاتی حساب کے احترام کے رویہ کو فروغ دیں، جب کہ وہ طے کردے کہ چاند نہیں دیکھا جاسکتا تو چاند دیکھنے کا دعویٰ نہ کریں، اور نہ ایسا دعویٰ قبول کیا جائے۔

مجلس ان شاء اللہ اس قرارداد کی روشنی میں قمری مہینوں کے آغاز واختتام کی تعیین کے لئے ایک سالانہ قمری کلینڈر جاری کرے گی۔

☆☆☆



# مصادرومراجع


- الالوسی شهاب الدين محمود ابن عبدالله، روح المعانی فی تفسير القرآن العظيم والسبع المثانی، بيروت داراحياء التراث العربی، تاريخ طباعت درج نهيں۔
- احمد مصطفی عبدالصمدتحديد أوائل الشهور الشرية: رؤية العلمية شرعية فلانرفا: الاكاديمية الاسلامية، للبحث العلمی، ۲۰۰۳۔
الـنصاری، زكريا بن محمد، الغرور البيهة فی شرح البيجة الوردية ، القاهرة:المينية ، تاريخ طباعت درج نهيں ۔
- ابن تيميه،أبوالعباس أحمد، مجموعة الفتاوی، تحقيق : أنورالبار، عامرالجزار، المنصورة: دارالوفاء، ۳۷/۱، ط۳، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء
- ابن حجر العسقلانی، شهاب الدين أبوالفضل أحمدبن علی بن محمد، التلخيص الحبير فی تخريج أحاديث الرافعيالكبير، بيروت: دارالكتب العلمية، ط ۱، ۱۴۱۹ھ۔ ۱۹۸۹ء۔
- فتح الباری شرح صحيح البخاری، تحقيق: فواد عبدالباقی ومحب الدين الخطيب، بروت: دارالمعرفة، ۱۳۷۹ هجری،
- ابن حزم الأندلسی، علی بن أحمد، المحلی، تحقيق: الشيخ أحمد محمد شاكر، مصر: دارالتراث، مصورة قديمة عن الطبعة المشيرية ۱۵۰ه،

- ابن حنبل، أبو عبدالله أحمد بن محمد مسندالامام أحمد، القاهرة مؤسسة قرطبة، ۲/۱، تاریخ طباعت درج نہیں،
- ابن حیان، محمد بن یوسف بن علی بن یوسف، تفسیر البحرالمحیط، بیروت: مؤسسة الرسالة، تاریخ طباعت درج نہیں،
- ابن دقیق العید، تقی الدین أبوالفتح محمد بن علی احکام الأحکام شرح عمدة الأحکام، القاهرة: مطبعة السنة المحمدیة تاریخ طباعت درج نہیں۔
- ابن رجب الحنبلی، عبدالرحمن بن أحمد فتح الباری شرح صحیح البخاری:دمام: دارابن الجوزی، ۱۴۲۳ھ
- ابن عابدین، محمد أمین بن عمیر، درالمخرات، ۸/۱، بیروت: دارالفکر للطباعة والنشر، ۱۴۲۱ھ۔۲۰۰۰ء
- ابن العربی، أبوبکرالقاضی محمدبن عبدالله، أحکام القرآن، ۴/۱، بیروت: دارالکتب العلمیة، تاریخ طباعت درج نہیں۔
- ابن قدامة، عبدالله بن محمدبن أحمد، المغنی فی شرح الحزقی، ۵/۱، بیروت: دارالفکر، ۱۴۰۵ھ۔
- ابن کثیر، أبوالفداء، عماد الدین اسماعیل بن عمرو، تفسیر القرآن العظیم، تحقیق: سامی بن محمد سلامة، ۸/۱، ریاض: دارطیبة للنشر والتوزیع، ۱۴۲۰ھ۔۱۹۹۹ء۔
- ابن منظورالافریقی، محمد بن مکرم، لسان العرب، بیروت: داراحیاء التراث الاسلامی، ، تاریخ طباعت درج نہیں۔
- ابن نجیم، زین الدین بن ابراهیم، البحر الرائق شرح کنزالدقائق، بیروت:
دارالکتاب السلامی، د۔ت، تاریخ طباعت درج نہیں۔
- الباجی، سلمان بن خلف، المتقی شرح الموطأ، القاهرة: دارالکتاب الاسلامی، د۔ت۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح المسند من حدیث رسولﷺ وسنة وأیامه (صحیح البخاری)، تحقیق: محمد زهیر بن ناصر الناصر، بیروت: دارطوق النجاة، ۱۴۲۲ھ۔
- البهیقی، أحمد ابن الحسین، السنن الکبری، تحقیق: محمد عبدالقادر عطا، ۱۰/۱، مکة المکرمة: مکتبة دارالباز، ۱۴۱۴ھ۔۱۹۹۴ء۔
- الترمذی، أبوعیسی محمد بن عیسی، سنن الترمذی، ۵/۱، تحقیق: أحمدمحمد شاکروآخرون، بیروت: دارأهیاء التراث العربی، تاریخ طباعت درج نہیں۔
- التفتازانی، مسعودبن عمر، شرح التلویح علی التوضیح لمئن التنقیح فی أصول الفقه، القاهرة: مکتبة صحیح، تاریخ طباعت درج نہیں۔
- الجوزی، المبارک بن محمد، النهایة فی غریب الأثر، تحقیق: طاهر أحمد الزاوی ومحمودمحمد الطناحی، بیروت: المکتبة العلمیة، ۱۹۷۹ء۔
- الجصاص، أبوبکر بن علی الرازی، أحکام القرآن، تحقیق: عبدالسلام محمد علی شاهین، بیروت: دارالکتب العلمیة، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۴ء
- الحموی، أحمد بن محمد، غمزعیون البصائر فی شرح الأشچیاء والنظائر، بیروت: دارالکتب العلمیة، تاریخ طباعت درج نہیں۔
- حیدر، علی، دررالحکام شرح مجلة الأحکام، تحقیق: المحامی فهمی الحسینی، بیروت: دارالکتب العلمیة، تاریخ طباعت درج نہیں۔

- الخرشی، محمدبن عبدالله، شرح مختصرخلیل للخرشی، بیروت: دارالفکر، تاریخ طباعت درج نہیں۔
- الدارمي، عبدالله بن عبدالرحمن بن الفضل، سنن الدارمی، تحقیق: فواز أحمد زمرلی
- خالدالسبع العلمی، بیروتے: دارالکتاب العربی، **۱/۲**، **۱۴۰۷**ھ۔
- الدسوقی، محمد بن أحمد بن عرفة، حاشیة الدسوقی علی الشرح الکبیر، بیروت: داراحیاء الکتب العربیة، تاریخ طباعت درج نہیں۔
- الرازی، أحمد بن فارس بن زکریاء القزوینی، مقاییس اللغة، تحقیق: عبدالسَّلام محمد هارون، دمشق: اتحاد الکتاب العرب، **۱۴۲۳**ھ/**۲۰۰۲**ء۔
- الرازی، فخرالدین أبوعبدالله محمد بن عمر، مفاتیح الغیب، المشهوربالتفسیر الکبیر، بیروت: دارالفکر، **۱۹۷۸**ء۔
- الزملی، شمس الدین محمدبن أبی العباس، فتاوی الرملی، تحقیق: محمدعبدالسلام شاهین، بیروت: دارالکتب العلمیة، **۱۴۲۴**ھ۔
- الزحیلی، وهبة، الفقه الاسلامی وأدلته، بیروت: دارالفکر، **۱۹۹۷**ء۔
- الزرقاء، مصطفی، فتاوی مصطفی الزرقاء، دمشق: دارالقلم، **۲۰۰۱**ء۔
- الزرقانی، محمد بن عبدالباقی، شرح الزرقانی علی موطأ مالک، بیروت: دارالفکر، تاریخ طباعت درج نہیں۔
- الزمخشری، أبوالقاسم محمودبن عمر، أساس البلاغة، بیروت: دارالفکر، تاریخ طباعت درج نہیں۔





- الزیلعی، فخرالدین عثمان بن علی، تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق، القاهرة: دارالکتب الاسلامیة، **۱۳۱۳**ھ۔
- السبکی، تقی الدین علی ، فتاوی السبکی، بیروت: دارالمعرفة، تاریخ طباعت درج نہیں۔
- السیوطی، جلال الدین، تفسیر الجلالین، القاهرة: دارالحدیث، ط ۱، تاریخ طباعت درج نہیں۔
- شاکر، أحمد، أوائل الشهورالعربیة، القاهرة: مکتبة ابن تیمیة، **۱۹۸۷**ء۔
- الشوکانی، محمدبن علی، نیل الأوطار، تحقیق: علی معوض وعادل عبدالموجود، **۱/۵**، دمشق: دارالکتاب العربی للطباعة والنشر ولاتوزیع، **۲۰۰۲**ء۔
- الطبری، أبوجعفرمحمدبن جریر، جامع البیان عن تأویل آی القرآن (تفسیر الطبری)، تحقیق: أحمدمحمدشاکر، بیروت: مؤسسة الرسالة، **۱/۲۴**، ط ۱، **۱۴۲۰**ھ/**۲۰۰۰**ء۔
- العراقی، عبدالرحیم بن الحسین، طرح التشریب، بیروت: دارأحیاء الکتب العربیة، تاریخ طباعت درج نہیں۔
- العظیم آبادی، محمد شمس الحق، عون المعبود شرح سنن أبی داود، بیروت: دارالکتب العلمیة، **۱۴۱۵**۔
- علیش، محمد بن أحمد بن محمد، منح الجلیل شرح مختصرخلیل، بیروت: دارالفکر، تاریخ طباعت درج نہیں۔
- العینی، بدرالدین أبومحمد محمود بن أحمد، عمدة القاری شرح صحیح

البخاری، بیروت: دارالفکر، تاریخ طباعت درج نہیں۔

- الفیروز آبادی، محمدبن یعقوب، القاموس المحیط، بیروت: دارالفکر، د۔ت۔
- القرافی، أحمد بن ادریس ، أنوارالبیروق فی أنواع الفروق، تحقیق: خلیل المنصور، ۱/۴، بیروت: دارالکتب العلمیة، ۱۴۱۸ھ۔۱۹۹۸ء۔
- القرضاوی، یوسف، فتاوی معاصرة، دمشق: دارالقلم، ۱۹۹۶ ۔
- القرطبی، أبوعبدالله محمد بن أحمد بن أبی بکر، الجامع الأحکام القرآن الکریم، تحقیق: ہشام سمیر البخاری، الریاض: دارعالم الکتب، ۱/۲۰، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳م۔
- القشیری، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، تحقیق: محمد فواد عبدالباقی، بیروت: دارأحیاء التراث العربی، تاریخ طباعت درج نہیں۔
- القضاة، شرف، ثبوت الشہر القمری بین الحدیث النبوی والعلم الحدیث، دراسات: علوم الشریعة والقانون، مج ۲۶، عدد۲، (تشرین الثانی ۱۹۹۹)، ص ۴۴۷۔۴۵۸۔
- القلیوبی، أحمد سلامة وعمیرة، أحمد البرلسی، حاشیة قلیوبی وعمیرة، القاہرة: دار احیاء الکتب العربیة، تاریخ طباعت درج نہیں۔
- مالک بن أنس، الموطأ، تحقیق: محمد مصطفی الأعظمی، أبوظبی: مؤسسة زاید بن سلطان آل نہیان، ۱۴۲۵ھ۔ ۲۰۰۴ء۔
- الموسوعة الفقہیة، الکویت: وزارة الأوقاف والشؤون الدینیة۔
- مولوی، فیصل، السبب الشرعی لوجوب صیام رمضان ہل ہو: دخول الشہر أم رؤیة الہلال، من: المجلس الأوروبی للافتاء والبحوث، www.hilal-discourse.net.2009
- النسائی، أحمد بن شعیب، سنن النسائی، بیروت: دارالکتب العلمیة ۱۴۱۱ھ۔۱۹۹۱ء۔
- النسفی، عبدالله بن أحمد بن محمود، مدارک التنزیل وحقائق التأویل، تحقیق: الشیخ مروان محمد الشعار، ۱/۴، بیروت: دارالنفائس، تاریخ طباعت درج نہیں۔
- النووی، محیی الدین أبوزکریا یحیی بن شرف المجموع شرح االمہذب، القاہرة: مطبعة المنیریة، تاریخ طباعت درج نہیں۔

☆☆☆